

کلیاتِ اقبال

اُردو

کلیاتِ اقبال

اقبالؔ

کلیاتِ اقبال (اردو) خصوصی ایڈیشن

بُجھدے حقوقِ بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

ناشر
پروفیسر شہرست بخاری
ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

سالِ اشاعت
۱۹۹۰ء مطابق ۱۱۔۱۲۔۱۳۱۰ھ

۳۵۰۰

تعداد

۲۶۰ روپے

قیمت

مطبع
استقلال پریس، لاہور

ISBN 969-416-000-6

بہ اہتمام
اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

۳
کلیاتِ اقبال
ج

الحمد لله رب العالمین

لوح بھی تو ملے بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبلینہ زنگ تیرے محیط میں حباب !

عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
فدۂ رنگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب !
شکستِ سحر و سکیم تیرے جہدِ دل کی مسرور !
فقرِ حبیب و بایزید تیرا جمال ہے نقاب !

شوقِ ترا اگر نہ ہو میری ناز کا امام
میرا نبیم بھی حجاب میرا سحر بھی حجاب !
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیبِ جستجو عشقِ حضورِ افلاک !

مہرِ امت

۴
کلیاتِ اقبال

مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت بخاری

مجلس مشاورت :

رشید حسن خان، ڈاکٹر حبیب قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد لریا،

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صابر کلوروی، ڈاکٹر تحسین فراقی،

محمد اکرام چغتائی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر حبیب عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سہیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر حبیب عشرت

تصحیح متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شان الحق حق، احمد جاوید

تصحیح کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قریشی تنویر قسم

ترتیب و آرائش : ذوالفقار احمد

زیرِ ہِتم : اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں! بعض
مقابلہ حاصل رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و
روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بے بسی خیر ازاں مہر و دوست
کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست
اقبالؔ

۲
گلیاتِ اقبال
و

کلیاتِ اقبال
ز

خراجِ عقیقہ

”شعرا تو ارم میں بازنپید کرتے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیر، بائرن، غمبیر نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیر کو عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میر شکسپیر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبالؒ اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبالؒ کو منتخب کروں گا۔“

قائدِ اعظمؒ

۸
 کلیاتِ اقبال
 ح

”اقبال کے لئے ادنیٰ شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب، بلند پایہ شاعر اور مفکرِ اعظم تھے، لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال
 سے بہت اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک
 سپاہی کے حثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 ملے چکا ہے۔ میں نے ان سے یادہ و فنلوار
 فیتے اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائدِ اعظمؒ

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(نیکمسن)

”ہندوستان میں حرکتِ تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سرسعد اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سرطارس آرنلڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صہانی تھے
اور اُن کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”در ویدۂ معنی نگہاں حضرت اقبالؒ
پیغمبرِ تہیہ کرو و پیغمبرِ تنواں گفت“

(مولانا غلام قادر گرامیؒ)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبالؒ کا ہی چرچا ہے۔“
(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

۱۰
کلیاتِ اقبال
ی

”محمد اقبالؒ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؒ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیدے گرفت اقبالؒ رسید

بیدلاں را نوبت حال رسید

قرن حاضر حاصتہ اقبالؒ گشت

واحدے کو صد ہزاراں برگزشت

این سلائے می فرستم سوتے یار

بے ریاتر از نسیم ثوبہ سار

(ملک الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؒ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے امتِ نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد المجید دریا آبادیؒ)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ کی جلتے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد مستند اقبال سے ہے۔“

(سرہربٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبالؒ کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالیؒ کی طرح اقبالؒ نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرز بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبالؒ کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعرِ مشرق کہا جانے لگا۔“

(نکولائی گلیبوف، روس)

۱۲
کلیاتِ اقبال

”اقبالؔ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“

(ڈاکٹر طرہ احسین، برص)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے مُفکر شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبد القادر کراخان، ترکی)

”اقبالؔ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صداقتوں اور قوتوں کو پہچانے اور اُن سے کام لے۔ خدا اور اُس کے رسول ﷺ کے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی حرکی رُوح کو سمجھے اور اُس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں حُشدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؔ کو عہدِ جدید کا زبردست مُفکرِ اسلامی، مُجددِ ملت اور اسلامی اُمتِ کُتب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں جس کا لکھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُسندِ مل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(رابندر ناتھ ٹیلور، بھارت)

”اگر بلال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اُٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے بلال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر، جس کا نام گزشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارے زبان میں چوکے۔ ہندوؤں میں جو مرتبہ ٹیلور کو حاصل ہے وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر ہے اس لیے کہ ٹیلور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر نوبل پرائز نہ حاصل کر لاتے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، ۱۹۲۰ء)

۱۲
کلیاتِ اقبال
ن

ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

بالِ حبِ بریل

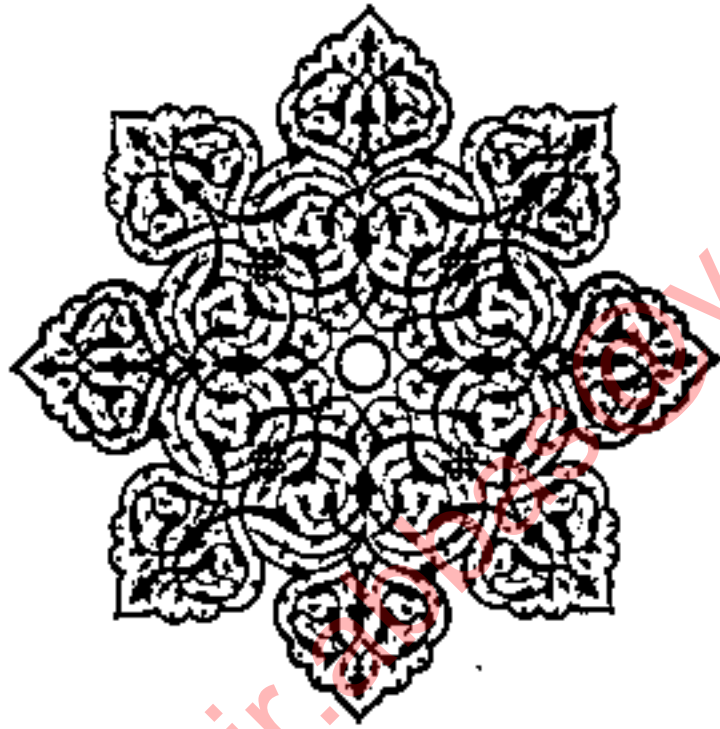
۵۰۱

ضررِ حکیم

۶۹۳

ازمنانِ حجاز (اُردو)

۱۵
کلیاتِ اقبال
س



۱۶
کلیاتِ اقبال
ع

ایکسپرا

اقبال

۱۸	۱۶
۱۹	۱۷
۲۰	۱۸
۲۱	۱۹
۲۲	۲۰
۲۳	۲۱
۲۴	۲۲
۲۵	۲۳
۲۶	۲۴
۲۷	۲۵
۲۸	۲۶
۲۹	۲۷
۳۰	۲۸
۳۱	۲۹
۳۲	۳۰
۳۳	۳۱
۳۴	۳۲
۳۵	۳۳
۳۶	۳۴
۳۷	۳۵
۳۸	۳۶
۳۹	۳۷
۴۰	۳۸
۴۱	۳۹
۴۲	۴۰
۴۳	۴۱
۴۴	۴۲
۴۵	۴۳
۴۶	۴۴
۴۷	۴۵
۴۸	۴۶
۴۹	۴۷
۵۰	۴۸
۵۱	۴۹
۵۲	۵۰
۵۳	۵۱
۵۴	۵۲
۵۵	۵۳
۵۶	۵۴
۵۷	۵۵
۵۸	۵۶
۵۹	۵۷
۶۰	۵۸
۶۱	۵۹
۶۲	۶۰
۶۳	۶۱
۶۴	۶۲
۶۵	۶۳
۶۶	۶۴
۶۷	۶۵
۶۸	۶۶
۶۹	۶۷
۷۰	۶۸
۷۱	۶۹
۷۲	۷۰
۷۳	۷۱
۷۴	۷۲
۷۵	۷۳
۷۶	۷۴
۷۷	۷۵
۷۸	۷۶
۷۹	۷۷
۸۰	۷۸
۸۱	۷۹
۸۲	۸۰
۸۳	۸۱
۸۴	۸۲
۸۵	۸۳
۸۶	۸۴
۸۷	۸۵
۸۸	۸۶
۸۹	۸۷
۹۰	۸۸
۹۱	۸۹
۹۲	۹۰
۹۳	۹۱
۹۴	۹۲
۹۵	۹۳
۹۶	۹۴
۹۷	۹۵
۹۸	۹۶
۹۹	۹۷
۱۰۰	۹۸

۱۸
بانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

مسالہ

گل زندیں

عہد طفلی

مرزا غالب

ابر کو ہمار

ایک مکڑا اور مکھی

ایک پہاڑ اور کلہری

۱

۲

۳

۴

۵

۶

۷

۱۹
باقی رہا
۳

۶۲/۴۶	۸	ایک گائے اور بکری
۶۵/۴۹	۹	بچے کی دعا
۶۶/۵۰	۱۰	ہمدردی
۶۷/۵۱	۱۱	ماں کا خواب
۶۸/۵۲	۱۲	پرنس کی فریاد
۶۹/۵۳	۱۳	خفتگان خاک کے استفسار
۷۱/۵۵	۱۴	شمع و پروانہ
۷۲/۵۶	۱۵	عقل و دل
۷۳/۵۷	۱۶	صدائے درد
۷۴/۵۸	۱۷	آفتاب (ترجمہ کایتی)
۷۵/۵۹	۱۸	شمع
۷۸/۶۲	۱۹	ایک آرزو
۸۰/۶۴	۲۰	آفتاب صبح
۸۲/۶۶	۲۱	دردِ عشق

۲۰
بافتے دریا
۲

۸۳/۴۷	۲۲	گل پر مژدہ
۸۴/۴۸	۲۳	سید کی لوح تربت
۸۵/۴۹	۲۴	ماہ نو
۸۶/۷۰	۲۵	انسان اور بزم قدرت
۸۸/۷۲	۲۶	پیام صبح
۸۹/۷۳	۲۷	عشق اور موت
۹۱/۷۵	۲۸	زہد اور زندگی
۹۳/۷۷	۲۹	شاعر
۹۳/۷۷	۳۰	دل
۹۴/۷۸	۳۱	سویج دریا
۹۵/۷۹	۳۲	رخصت اے بزم جہاں !
۹۷/۸۱	۳۳	طفل شیرخوار
۹۸/۸۲	۳۴	تصویر درد
۱۰۴/۸۸	۳۵	ناله سراق

۱۰۵/۸۹

۱۰۶/۹۰

۱۰۸/۹۲

۱۰۹/۹۳

۱۱۰/۹۴

۱۱۲/۹۶

۱۱۳/۹۷

۱۱۴/۹۸

۱۱۵/۹۹

۱۱۷/۱۰۱

۱۱۸/۱۰۲

۱۱۹/۱۰۳

۱۲۱/۱۰۵

۱۲۲/۱۰۶

۳۶ چاند

۳۷ بلالؓ

۳۸ سرگزشت آدم

۳۹ ترانہ ہندی

۴۰ جُکُنو

۴۱ صبح کا ستارہ

۴۲ ہندوستانی بچوں کا قومی کیت

۴۳ نیا شوالا

۴۴ داغ

۴۵ آبر

۴۶ ایک پرندہ اور جُکُنو

۴۷ بچہ اور شمع

۴۸ کنار راوی

۴۹ التجائے مسافر

۲۲
باغیچہ برا

۴

غزلیات

۱۲۴/۱۰۸

۱ کلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ

۱۲۴/۱۰۸

۲ نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی

۱۲۵/۱۰۹

۳ عجب واعظ کی دیں داری ہے یارب!

۱۲۵/۱۰۹

۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے

۱۲۶/۱۱۰

۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا

۱۲۷/۱۱۱

۶ انوکھی وضع ہے مسائے زمانے سے نرالے ہیں

۱۲۸/۱۱۲

۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کر کے کوئی

۱۲۸/۱۱۲

۸ کہوں کیا آرزو تے بے ولی مجھ کو کہاں تک ہے

۱۲۹/۱۱۳

۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں

۱۳۱/۱۱۵

۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

۱۳۱/۱۱۵

۱۱ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے

۱۳۲/۱۱۶

۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں

۱۳۳/۱۱۷

۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھکالچ کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	اخترِ صبح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی گود میں بٹی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کلی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

۲۲
بانگِ درا

۸

۱۲۴/۱۳۱	۱۲	سُلیمی
۱۲۸/۱۳۲	۱۳	عاشقِ ہر جباتی
۱۵۰/۱۳۴	۱۴	کوششِ ناتمام
۱۵۱/۱۳۵	۱۵	نوائے غم
۱۵۲/۱۳۶	۱۶	عشرتِ امروز
۱۵۲/۱۳۶	۱۷	انسان
۱۵۳/۱۳۷	۱۸	جلوۂ حسن
۱۵۴/۱۳۸	۱۹	ایک شام
۱۵۵/۱۳۹	۲۰	تنہائی
۱۵۵/۱۳۹	۲۱	پیامِ عشق
۱۵۷/۱۴۱	۲۲	فراق
۱۵۸/۱۴۲	۲۳	عبدالغفار کے نام
۱۵۹/۱۴۳	۲۴	صقلیت

غزلیات

- ۱ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۶۱/۱۲۵
- ۲ الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے ۱۶۱/۱۲۵
- ۳ زمانہ دیکھے کا جب مے دل سے محشر اٹھے کا گفتگو کا ۱۶۲/۱۲۶
- ۴ چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں ۱۶۲/۱۲۸
- ۵ یوں تو اے بزمِ جہاں دلکش تھے ہنگامے تے ۱۶۵/۱۲۹
- ۶ مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں ۱۶۵/۱۲۹
- ۷ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار چو کا ۱۶۶/۱۵۰

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے)

- ۱ بلا وِ اسلامیہ ۱۷۱/۱۵۵
- ۲ ستارہ ۱۷۳/۱۵۷
- ۳ دو ستارے ۱۷۴/۱۵۸

بانگِ درا

۱۷۲/۱۵۸	۴	گورستان شاہی
۱۸۰/۱۶۴	۵	نمود صبح
۱۸۱/۱۶۵	۶	تضمین بر شعر انیسویں سالو
۱۸۲/۱۶۶	۷	فائدہ عنہم
۱۸۵/۱۶۹	۸	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر
۱۸۶/۱۷۰	۹	ترانہ بقی
۱۸۷/۱۷۱	۱۰	وطنیت
۱۸۸/۱۷۲	۱۱	ایک حاجی مدینے کے راستے میں
۱۸۹/۱۷۳	۱۲	قطعہ (کل ایک شریہ خواب کا نبی پر رونے کے لئے ہاتھ)
۱۹۰/۱۷۴	۱۳	شکوہ
۱۹۹/۱۸۳	۱۴	چاند
۲۰۰/۱۸۴	۱۵	رات اور شاعر
۲۰۱/۱۸۵	۱۶	بزم انجم
۲۰۳/۱۸۷	۱۷	سیر فلک

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موٹر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۷/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	غزوة شوال یا ہلال عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۷	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساتی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۸
بانگ درا
۱۲

۲۳۹/۲۲۳	شاعر	۳۲
۲۴۰/۲۲۴	نوید صبح	۳۳
۲۴۱/۲۲۵	دُعا	۳۴
۲۴۲/۲۲۶	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں	۳۵
۲۴۳/۲۲۷	فاطمہ بنت عبد اللہ	۳۶
۲۴۴/۲۲۸	شبِ نعم اور سارے	۳۷
۲۴۵/۲۲۹	محاصرہ اور نہ	۳۸
۲۴۶/۲۳۰	غلامِ ستارہ سید	۳۹
۲۴۷/۲۳۱	ایک مکالمہ	۴۰
۲۴۸/۲۳۲	میں اور تو	۴۱
۲۴۹/۲۳۳	تضمین بر شعر ابوطالب کلیم	۴۲
۲۵۰/۲۳۴	شبلی و حسانی	۴۳
۲۵۱/۲۳۵	ارتقا	۴۴
۲۵۲/۲۳۶	صدقہ	۴۵

۲۵۳/۲۳۷	۴۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۴۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۴۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۴۹	عسٹرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	نفر و اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلالؓ
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	سلمان اور تعلیمِ جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شعرِ صائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فردوس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

۳۰
ہاتفِ در
۱۲

۲۷۷/۲۹۱	۶۰	مذہب
۲۷۷/۲۹۱	۶۱	پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۷۸/۲۹۲	۶۲	شب معراج
۲۷۸/۲۹۲	۶۳	مُحْمول
۲۷۹/۲۹۳	۶۴	شیکسپیر
۲۸۰/۲۹۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۹۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۹۵	۶۷	دریوزہ حلافت
۲۸۲/۲۹۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۹۷	۶۹	خصر راہ
۲۹۷/۲۸۱	۷۰	طلوع اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے باد صبا! کئی واسے سے جا کہیو پیغام مرا
---------	---	---

- ۲ یہ سرودِ قمری و بسمل فریبِ کوش ہے ۳۱۲/۲۹۲
- ۳ نالہ ہے بسمل شوریدہ تراحمِ نامِ ابھی ۳۱۲/۲۹۲
- ۴ پروہ چہرے سے اٹھا، انجمنِ آرائی کر ۳۱۱/۲۹۵
- ۵ پھر بادِ بسمل آئی، اقبالِ غزلِ خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظرِ آبِ بسمل مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہِ دام بھی غزلِ آشنایہ طائرِ چمن تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانیِ اسباب ہے ۳۱۲/۲۹۸

ظریفانہ

- ۱ مشرق میں اصولِ دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مردِ ہوش مند! ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیمِ سنہری ہے بہت جراتِ آفریں ۳۱۶/۳۰۰

۳۲
باقی ہے در
۱۶



- ۶ کچھ غنم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳.۰۰
- ۷ تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ ۳۱۶/۳.۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک ۳۱۷/۳.۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اشکا ہے ۳۱۷/۳.۰۱
- ۱۰ 'اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے' ۳۱۷/۳.۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ ذنب نکل گیا ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خود کوشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۳ نواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا چولی ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل پہ وعظ ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک ۳۲۰/۳.۰۴
- ۱۹ گائے ال روز ہوتی اونٹ سے یوں کرم سخن ۳۲۰/۳.۰۴

بانگ درا
۱۷

- ۲۰ راست پھرنے کہہ دیا مجھ سے ۳۲۱/۳.۵
- ۲۱ یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر ۳۲۲/۳.۶
- ۲۲ جان جاتے ہاتھ سے جاتے نہ ست ۳۲۲/۳.۶
- ۲۳ محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے ۳۲۲/۳.۶
- ۲۴ شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل ۳۲۲/۳.۶
- ۲۵ تھکارتھی مزارع و مالک میں ایک روز ۳۲۳/۳.۷
- ۲۶ اٹھ کر پینک دو باہر گلی میں ۳۲۳/۳.۷
- ۲۷ کارخانے کا ہے مالک مرد کس ناکر وہ کار ۳۲۴/۳.۸
- ۲۸ سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں ۳۲۴/۳.۸
- ۲۹ مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے ۳۲۴/۳.۸



۳۲۲
ہاتھ سے رہا
۱۸

دیاچہ

شیخ عبدالعتاد بریسٹریٹ لائبریری "مخزن"

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور زالا انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ ترکستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور جب بورلیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسے زہرِ شاعری کے چمن کی آبیاری کرنے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دعا کا وقت ہو گا کہ اُن کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور اُن کا اقبال سند بیٹا سند وستان میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکارِ انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالمِ لیب شہرت پیدا کر لی ہے تو اُس نے بھی ازراہِ فتدوانی سرکارِ ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ لطیف حرفِ ادا ہے کہ نام کا نام ہے اور تخصص کا تخصص، ان کی ڈاکٹری اور سسری سے زیادہ مشہور اور مستبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسنؒ صاحبِ علومِ مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کونزمنٹ سے خطابِ شمسِ اعلا بھی ہوتا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اُس کی طبیعت میں اُس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے

✽ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت کا وصال ہو گیا ہے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب سا استاد ملا طبیعت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے کی۔ سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت درہولیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا چرچا لمبے ویش میں موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی بھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مرزا خاں صاحب دماغ و دلوں کا بہت شہرہ تھا اور نظم و کن کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھ لیتی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جاتے تھے، خط و کتابت کے ذریعے دُور ہی سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔ غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانے میں جب ڈال کا یہ انتظام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اب اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ ملتے رکھتے تھے اور انھیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انھیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان والی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں کیلتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب دماغ پہچان لے کہ پنجاب کے ایک دُور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ اُنھوں نے جسد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ ملتہ کا بہت دیر قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد و دنوں طرف رہ گئی۔ داغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا ہے کہ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے داغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنا۔ سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفے کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرٹاس آرنلڈ ہوتے ہیں اور انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ ٹوٹ تھری ان کی بہت اچھی ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی کڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے نچخت کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں یہاں ایک اور جہت نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شاکر کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں سیر کے لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں دماغ کے خائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی مساعزل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمریج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکرے کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرارِ خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، اکبر مرحوم، سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے اعلیٰ سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک شاعرے میں دیکھا۔ اس نرم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے آئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سخی سنزل تھی۔ سادہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔ مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند لی گئی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ پھر اسی شاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

چونہا شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض ایسے لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اُسے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادب اردو کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیونکہ انھیں یہ خیال تھا کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں، مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں، جو اپریل ۱۹۰۱ء میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پہلا طور پر آغاز ہوا اور ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

۲۰
بانٹے رہا
۲۲

مخزن کے ہر سبر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام سے محفوظ کریں۔ شیخ صاحب اُس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر کورنٹ کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعتِ نرّوں پر تھی، شعر کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں لگتے جاتے۔ میں نے اُس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم لے کر فکرِ سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ اُبھتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیتِ رقت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سُرلی آواز میں ترنم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ ایک سلسلِ نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے ن اُسی ترتیب سے حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، مگر یہ رنگ لسی اور میں نہیں دیکھا۔ قہال لی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بایں ہر موزوں بی طبع وہ حسبِ فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ مگر یہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسبِ فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمانشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اُسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فہرست وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں، اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے بلاصر کہا کہ وہ نظم ترجمہ سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترجمہ سے بھی جلسے اُفت ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھایا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے بنوتے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ کئے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اُنس کو سمجھ سکتے تھے، اس شش کے سبب عام بھی کھینچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور نما ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ و ہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُنس زمانے میں دو بڑے تغیران کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

اکثر ملاقات کے موقعے ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصہم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم لھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری در ماندہ قوم اور ملک کے نصیب ملک کے امراض کا علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خدا و اوطاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آئندہ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ آئندہ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا اس کا تو یوں حاتمہ ہوا کہ وہ سر تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنالیا۔ فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں لیتی اسباب سے پیدا ہوتی ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی، اس کو بھی ضرور اس تغیر شوق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں اُن کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دوستی خیالات کے اظہار کو بھی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سہارا یہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ شاید فارسی شعر کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ولایت سے واپس آنے پر کبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۵ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی مصوم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مثنوی اسرار خودی تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قسطا سب سے اترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی، 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہو سکتی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہونے ہوں گے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کلم و بیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل تدریص مصنف کا حال معلوم ہوا۔ پیام شرق میں ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کوٹے کے سلام مغرب کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں کی گئی ہیں۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہب تسلیم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۱۷ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجھوے کی اشاعت کے بہت لوگ خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظمیں کا مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر تقسیم ہے۔

حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب شاعر کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی پسراوانی ہو اور اس قدر مطالب معانی یکجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے چارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سر دست میں صاحبانِ ذوق کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اُردو کلیاتِ اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور کلدستوں کے اوراق پریشاں سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت سے اس کلام کو یکجا دیکھنے کے مشتاق تھے، وہ اس مجھوے کو شوق کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابلِ مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ حصہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودا آئی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ رہیں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی بسموعۃ اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خمیہ سمجھیں۔



البن

قدت المحبہ ستم ہے۔

انہی کو ملاز جو بنایا۔ راز اگر گاتا ہے چنایا
 نے ہفتی آگیا۔ کھنسر محمد سنگ کا
 جوت اعز و انتہا ہے
 آئے نہ گھر بلکہ لکھا ہے

میں رسم خرام موج دیا۔ دیا کوئے مگر حاد بہا
 بلادل کو ہوا لڑا رہی۔ شانیں سلجھا لڑا
 مار مشے سرب فدیہ۔ زندان ملک مانڈر بھر
 خوشدہ کا بد سحر۔ کلام اللہ نام بر سر
 نرسہ بناروں لہر جھلر۔ پندتک سنی ہا ستر
 دین و دنیا میں ہم نے سونستے کو واپسی
 کیا ہے محبت الہی
 کیا ہے پروندہ راز ہے

۲۸

بانگ درا

۳۲



حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

jabir.abbas@yahoo.com

باندھے در

۲۹

۳۳

۴۵

بارب دل سم کوہ زنتہ تھاویں - جو قلب کو گرماڑ جو رہے کوثر ہے و
 چرو ادنیٰ ناراں بزرگ کو چکاویں - جو ذوق تماش و چہ ذوق تماش ہے
 محروم تماش کو چہ دیر باہر ہے - دیکھا جو کچھ ہے اوروں کو و کھلا ہے
 بکھیرا تو پوچھوئے ہم جاہل - ہر شے کے فوٹو کو چہ دست خود ہے
 ارور و عظم ہر قلب پرش کو - در داغِ محبت جو چاہا نرگس ہے
 پیرادل دریاں محروم شکر - ہر صفت کی کو خوش مرید ہے
 ہنسنا کی جگہ ہنسنا کو چکاویں - ہر درد کو چاہا نرگس ہے
 ہم جہتِ عالم ہوں دکنِ بزرگ کی - تانہ سادہ سم فتح کو دلا ہے
 رشتہ شام سرور کی نرگس - جھوٹ کی ساحل و آزلہ کی دریا ہے
 نہ کوئی محبت نہ بے بار ہے - نیو عام دیکھ کر دل ورت ہے
 چار فاقہ کھکڑا ہے - اور نہ کھکڑا ہے نہ نرگس ہے
 نگاہِ بخت کبھی نہیں ہوتا - دلوں کے سوختے ہوئے ہوتا ہے
 نگاہِ بخت کبھی نہیں ہوتا - دلوں کے سوختے ہوئے ہوتا ہے

۵۰

بانگِ درا

۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان چومتا ہے تیری پیشانی کو خجک کر اسکا
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دینا یہ روزی کے نکلے توجواں ہے کرشن شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے

آٹھانِ دیدہ ظاہر میں کوہِ ستاں ہے تُو پاسباں اسنا ہے تُو دیوارِ ہندوستان ہے تُو
مطلعِ اولِ فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تُو سوتے خلوتِ کاہل و کربشِ انساں ہے تُو

برف نے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے

خندہٴ ن ہے جو کلاہِ سرِ عالم تاب پر

۵۱
بانٹا ہے ریا
۲۵

تیری عمرِ فرستہ کی اک آن ہے عہدِ کُن
واویوں میں مہرِ می کالی لٹائیں خمیہ نُن
چوٹیاں تیری شریا سے ہیں سرگرم سخن
تو زمیں پر اوپر پھناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے

دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں سوار ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برق سرگسار نے
اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی ہے
دستِ قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیم سج کھوارہ بنی
جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں بانِ برل سے گویا ہے اس کی خاموشی
دستِ چپس کی جھٹکیں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنجِ خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے تیری سراز کوہ سے فانی ہوتی
کوثر و نسیم کی موجوں کو شہزادی ہوتی

آئینہ ساشا پر قدرت کو دکھلاتی ہوتی
سب سے گاہِ پستی گاہِ ٹکراتی ہوتی

پھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے سار کو
اے مسافرِ دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یہی شب کھولتی ہے آگے جب لُف سا وہی دل کھینچتی ہے ہر ایشاؤں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر فنکار کا سماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہسا پر
خوشنما لگتا ہے عینِ ازہ ترے رخسار پر

اے ہمالہ! داستانِ اُس وقت کی کوئی سنا مسکینِ آبلے انساں جب بنا وہن ترا
کچھ بتا اُس سیدھی ساوی زندگی کا سہرا داغ جس پر عازہ رنگِ تکلف کا نہ تھا

ہاں دکھا دے اے تصویرِ پھر وہ صبحِ شام تو
دور پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ مشکل نہیں اے گلِ زندیں تیرے پہلو میں شاید دل نہیں
زیبِ محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و سازِ آرزو
اور سیری زندگی بے گدازِ آرزو

توڑ لینا شاخ سے تہجد کو مرا آہیں نہیں
یہ نظرِ غیر از نگاہِ چشمِ صہوت میں نہیں
آہ! یہ دستِ بھانجولے گلِ زندیں نہیں
کس طرح تہجد کو یہ بھجاؤں کہ میں گلچیں نہیں
کامِ مجھ کو دیدہ چمکتے الجھٹیروں سے کیا
دیدہ بے بل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوزِ بانوں پر بھی خاموشی تہجے منطوب ہے
رازِ وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستوب ہے
میری صورت تو بھی اک برکِ ریاضِ طوب ہے
میں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے ٹوب ہے
مطمئن ہے تو پریشانِ مثلِ بُورہا ہوں میں
زخمی ششیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حیاتِ نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغِ خانہ چمکتے نہ ہو
ناتوانی ہی مری سزا یہ قوتِ نہ ہو
رُشکِ جامِ بزمِ مرا آئینہ حیرتِ نہ ہو
یہ تماشائیں متصل شمعِ جہاں فروز ہے
توسنِ اور اک انس کو خرامِ آمو ہے

عہدِ طفلی

تھے دیارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشِ مادرِ اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے حرفِ بے مطلبِ تھی خود میری جاں میرے لیے
دردِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے

شورشِ بخیرِ درمیں لطفِ آتا تھا مجھے

تکتے رہنا ہائے اوہ پروں تک سُوتے تھے وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پاؤں کا سفر
پوچھنا رہ کے اُس کے کوہِ صحرائی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ امیز پر

آنکھِ وقفِ دید تھی لبِ مائلِ گفتار تھا

دل نہ تھا میرا سراسرِ پاؤںِ وقِ ہفتار تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پر مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
تھا سراپا روحِ تو، بزمِ سخنِ پیکرِ ترا زنجیرِ بے پناہی بھی رہا بھنسل بھی ہا

وید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے
بن کے سوز زندگی ہر شے میں جوستو ہے

محفل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار
تیرے فرد و خویشیل سے ہے قدرت کی بہا تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و دہا

زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب کو یانی جے جنش ہے لب تصویر میں

نطق کو سونا زہیں تیرے لب عجب زہر محو حیرت ہے ثریا فست پڑا زہر
شاہد مضمون تصدیق ہے تیرے انداز پر خندہ زن ہے غنچہ پتہ دلی گل شیراز پر

آہ! تو اُٹھری ہوئی دلی میں آہیڈ ہے
گلشن و میر تیس یہ اسم نو احوال ہے

لطف کو یانی تیس یہ ہر ہر مکن نہیں چوختیل کا نہ جت مک فکر کامل ہم شیں
ہاتے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر میں آہ! انظر رہ آموز نگاہ مست رہیں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر گوٹے اس جگہ مہ فون ہے

۵۶
بانگ درا
۱۲۰

کیسے اردو ابھی منت پذیر نہ ہے

شمع یہ سودائی و سوزی پروا ہے

اے جہان آباد! گے گوارہ عسلم ہنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
فترے فترے میں ترے غم ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں غریب خالک میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر نہ رکھتا ایسا بھی ہے؟

تجھ میں پس کون سی موتی آب ایسا بھی ہے؟

ابر کو ہسار

ہے بلند می سے فلک بوس شمع میرا
ابر کو ہسار ہوں گل پاش ہے امن میرا
کبھی صحرا بھی گلزار ہے سکھ میرا
شہر ویرانہ مرا ہے مرا بھرا امن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کو ہے منجے گل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے افسان ہونا
ناتقہ شاد رحمت کا حُدی خواج ہونا

غنم دوائے دل افسردہ بہت ہونا
رونق بزم جوانان گلستاں ہونا

بن کے کیسوخ ہستی پہ بھرجاتا ہوں

شانہ موجبہ صہر سے سنو جاتا ہوں

دور سے یق آہد کو ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جسم لب بچھاتا ہوں بالیاں نہر کو لڑا ب کی پھٹاتا ہوں

سبزہ مزع نو خیز کی آہٹوں میں

زاق بھڑن بڑوۃ خورشیدوں میں

چشمہ کوہ کو دی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس محترم میں نے

سر پہ پنے کے کھڑے ہو کے کھاتم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے مٹنے ہیں بستانوں کے

جھوٹے امن کسار میں ہستوں کے



ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
لیکن مری کشیا کی نہ جالی کبھی قسمت
غیروں سے شیطیے تو کوئی بات نہیں ہے
اوجو کے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیرھی یہ چڑھا پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا واہ! فریسی مجھے سمجھے
منظور تمھاری سب مجھے خاطر تھی ورنہ
اڑتی ہوئی آتی ہو خدا جانے کہاں سے
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہرو جو مکے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا

اس گھر میں کتنی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کُئی شیا
 لٹکے پوتے و رازوں پہ باریک پس پردہ
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 مہمانوں کے آرام کو خاص رہیں بھپو
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 مکھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بھپوؤں سے خدا مجھ کو بچاتے

سو جاتے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا

مکڑے نے کہا دل میں سُنی بات جو اُس کی
 پھانسیوں کے س طرح یہ کم بخت ہونا
 سو کا غم شام سے نکلے ہیں جہاں میں
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بنا
 یہ سوچ کے مکھی سے کہا اُس نے بُری کیا
 اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صوٹ سے محبت
 جو جس نے بھی ایسا نظر آپ کو دیکھا
 آنکھیں ہیں کہ ہرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
 سر آپ کا اللہ نے کلمی سے سجایا
 خیرن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکھی نے سُنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں نہیں
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو کوئی لٹکا
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

بانگے راز
۲۲

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو مڑے نے اچھل کر اُسے پکڑا

بھوکا تھا لئی رُسے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے گھر بیٹھ کے مکتھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گھری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گھری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب کر

ذرا سی چیز ہے اس پر غر زلیا لہنا یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور کیا لہنا!

خدا کی شان ہے نا چیز چیز بن بیٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں

تری بساط ہے کیا سیری شان کے اُگے زمین ہے پست مری آن بان کے اُگے

جو بات مجھ میں سمجھ کو وہ ہے نصیب کہاں

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہاں

کہا یہ سن کے گھری نے منہ سنبھال دیا یہ کچھ باتیں ہیں دل سے انھیں نکال دیا

جو مین ٹمی نہتیں سیری طرح تو کیا پڑا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدر سے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اُس کی حکمت سے
بڑا جہاں میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں اتجھ میں
بڑی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سے کتنی دیر لکھا مجھ کو
چھپا لیا ہے ذرا تو ڈر لکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز قیمتی کوئی زمانے میں

کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاخانے میں

ایک کا تے اور بلبری

(مانخو)

بچوں کے لیے

اَل چرگ الہ ہری بھری تھی لہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اُس بہار کا چوبیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیل کے سایہ دار درخت

۶۲
باقی ہے در
۲۶

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بدمی
 جب ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھا
 پہلے جھاک کر اُسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بُری مھسلی اپنی
 جان پر آبِ نی ہے کیا کیسے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زورِ حلیت نہیں عنبرِ یوں کا
 آدمی سے کوئی مھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہستکندوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدا آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سیتے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 ہے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُری ہے کیا کیسے
 رو رہی ہوں بڑوں کی جان میں
 پیش آیا لکھا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے
 رکنِ منبر یوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہاتی ہے

سُن کے بکری یہ ماجرہ اسارا
 بات سچی ہے بے مزا لگتی
 یہ چہرہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اسی خوشیاں ہیں نصیب
 بولی، ایسا گلہ نہیں اچھپ
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہری کھاس اور یہ سایا
 یہ کہاں بے زبان غریب
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
 قید ہم کو بھلی کہ ازاد می
 واں کی گزراں سے بچاتے خدا
 ہم کو زیب نہیں گلا اس کا
 آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھٹائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 گائے سُن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



۶۱۲
 بانٹے رہا
 ۲۸

بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تنہا میری
زندگی شمع کی صورت ہو نہ ایا میری

دُور دنیا کا مرے دُم سے اندھیرا ہو جائے

ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دُم سے یونہی میرے وطن کی زینت

جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب

علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!

ہو مرا کام عنریبوں کی حمایت کرنا

درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

۶۵
بانگ درا
۴۹

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی
(مانخو از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

ٹھنی یہ کسی شخص کی تنہا
کُستا تھا کہ رات سر پہ آتی
بُسل تھا کوئی اُداس بیٹھا
اُڑنے چُکنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح اشیائ تک
سُن کر بُسل کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
بُسل تھا کوئی اُداس بیٹھا
اُڑنے چُکنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح اشیائ تک
سُن کر بُسل کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جاں شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ حسد پاکے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر
وہ پیچھے تھا اور میں چلتا نہ تھا
کہا میں نے نہ چپان کر میری جاں!
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
تو دیکھ اقطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہا

۶۷
بانگ درا
۵۱

نہ پروا ہم ساری ذرا تم نے کی گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!
 جو بچے نے دیکھا مرا بیچ و تاب دیا اُس نے منہ پھیر کر یوں جواب
 رلاتی ہے تجھ کو جُدا تی مری نہیں اس میں کچھ بھی جُدا تی مری
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
 سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

پینے کی فریاد
 بچوں کے لیے

اتنا ہے یاد مجھ کو گزرا سوا زمانا وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
 آزادیاں کہاں وہ اب اپنے لھونسلے کی اپنی خوشی سے اُٹا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوٹِ دل پڑا تھا یہ یاد جس دم شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا سُکرانا
 وہ پیاری پیاری صوٹ وہ کانسی سی موت ابا جس کے دم سے تھا میرا اشیانا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہاتی اے کاش میرے بس میں!

۶۸

بانگِ درا

۵۲

کیا بے نصیب ہیں میں کھر کو ترس رہا ہوں ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں بیٹھ رہا ہوں
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی ہنس رہی ہیں میں اس اندھیرے کھر میں قسمت کو رہا ہوں
 اس قید کا الہی اڈھکھڑا کسے سناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں عن نسیم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھارہا ہے غم دل کو کھارہا ہے
 گانا ہے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے دکھے ہوئے دلوں کی فنیادیو یہ صدا ہے
 آزاد مجھ کو کر دے اوقید کرنے والے

میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر دے

خفتگانِ حال سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ رُوشن شانہ ہستی ہے بکھر اٹھا کیسوتے شام
 یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے محفلِ قدرت مگر خوشید کے ماتم میں ہے
 کر رہا ہے آسمان جاؤ بلب گفثار پر ساحرِ شب کی نظر ہے دید بیدار پر
 غوطہ زن دریائے حنا موشی میں موج ہوا ہاں مگر اک دور سے اتنی ہے آوازِ درا

دل کہ ہے بے تابی اُفت میں دنیائے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامہ عالم سے دور

منظرِ حراماں نصیب کی تماشا آتی ہوں میں

نیم شین جفتگانِ کُنچ تنہا آتی ہوں میں

تھم در بے تابی دل بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو کرانے دے مجھے

اے غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرت خانہ امر و نہی ہے کوئی؟
اور پیکارِ عتصا کا تماشا ہے کوئی؟

اومی اں بھی حصہ غنیمت میں ہے محسوس کیا؟
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جہل مرتا ہے سوزِ شمع پر پڑا نہ کیا؟
اُس چین میں بھی گلِ غمِ بے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسو سے نکل جاتا ہے ل
شعر کی لہری سے کیا اں بھی پھل جاتا ہے ل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گھٹاں میں بھی کیا ایسے ٹکدے خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سوا فساد ہے
روح کیا اُس سیس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہے وہاں بھی ہے خرم بھی ہے؟
قلندارے بھی ہیں اندیشہ ریزن بھی ہے؟

تنگے چنتے ہیں وہاں بھی آشیائے واسطے؟
خشتِ گل کی فکر ہوتی ہے کھال کے واسطے؟

واں بھی انساں اپنی اہلیت سے بیکار نہ ہیں کیا؟
امیازِ ملت و آئیں کے دیوانے ہیں کیا؟

بانگِ درا

۵۴

واں بھی کیا منیر باؤمبل چرچنوتا نہیں؟
اس جہاں کی طرح اس بھی دُورل ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک نسلِ ازل آرام ہے؟
کیا جہنم مصیبتِ نری کی اک ترکیب ہے؟
کیا عوضِ رفا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
ویدے تے سکین پات ہے دل مجبور بھی؟
جستجو میں ہے ہاں بھی رُوح کو آرام کیا؟
اہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا مٹو رہے؟
یا محبت کی تحبلی سے سہرا پٹو رہے؟

تم بتا دو راز جو اس کنبہ کرداں میں ہے
موت اک چھتا ہوا کا نسا دل انسان میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمعِ پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشاں کیوں

سیاب وار رکھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
 آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا سے؟
 از آرموت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟
 غمِ نہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 اس نفستِ دل کا نخلِ تنہا ہر آنہ ہو
 گزرتے حضور میں اس کی نماز ہے
 نتھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے
 کچھ اس میں جو شوقِ عاشقِ حُسنِ قدیم ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

بروانہ اور ذوقِ تماشا سے روشنی
 لے لیا آداب اور تماشا سے روشنی

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ دِل سے کہا
 ہوں زمیں پر، گزرِ فلک پہ مرا
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 کامِ دنیا میں رہ رہی ہے برا
 ہوں منفی سرکتِ بستی کی
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں

۷۲

بانگِ درا

۵۶

بوندِ اک خون کی ہے تُو لسیکن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 رازِ ہستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 علمِ تجھ سے تو معرفت مجھ سے
 علم کی اتہا ہے بے باقی
 شمع تُو محفلِ صداقت کی
 تُو زمان و مکاں سے رشتہ بیا
 غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لیا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تُو حسدِ اجو، حسدِ انما ہوں میں
 اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
 حسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بندی پہ ہے ہمتِ امِ مرا
 عرشِ تبِ حبیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل رہا ہوں گل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سر میں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
 ہاں بوندے اے محیطِ آب گنگا تو مجھے
 وصل کیسیاں تو اک قُربِ فراق انگیز ہے

بدلے کی نگہ کے نیا آشنائی ہے غضب ایک چہرے کے دانوں میں جلائی ہے غضب
جس کچھ لوگوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں اُس سپین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ سیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

اختلاطِ حوبہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

وانہ خرمین بس ہے شمعِ معجزیاں ہونہ خرمین ہی تو اس دانے کی سستی کھپاں
خُسن ہو کیا خودِ ماجب کوئی مائل ہی ہو شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی ہو
ذوقِ گویائی حسِ شہی سے بٹتا کیوں نہیں میرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں

کب کہاں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے

چھوٹا ڈالا جب میں کوئی شکرِ سکار نے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو شیرازہ بندِ فستہ کوئی مکان ہے تُو
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا ہے سبز تیرے دم سے چمن بہت بُود کا

۷۲
باقی ہے در
۵۸

قائم یہ غنصر کا تماشہ بھی ہے
 ہر شے کو تیری جلوہ گری سے شبات ہے
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 ہے محفل وجود کا سامان طراز تو
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی نہ تہا تری
 ہر شے میں زندگی کا تقاضا بھی ہے
 تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
 دل ہے خرد ہے روح رُح رُح ہے شعور ہے
 چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے
 یزدان ساکن ان نشیب و فراز تو
 تیری نمود سدا کو ہمار میں
 زائیدگان نور کا ہے تاجدار تو
 از اوقیہ ازل و آخر ضیاء تری

شمع

بزم جہاں میں ہیں بھیڑیں شمع اور دہند
 دی عشق نے حرارت سوز و زور سے تجھے
 ہر شمع بزم شمس کہ شمع مزار تو
 ہر حال اشک غم سے ہی پھلنا تو
 فریاد و گریہ صفت دانہ سپند
 اور گل فروش اشک شفق کوں کیا مجھے
 یک بین تری لطف صفت عاشقان راز
 میری نگاہ مایہ آشوب امتیاز

کعبے میں سبکے میں سے یکساں تری ضیا میں استیازِ دیرِ جسم میں چھپا ہوا

ہے شانِ آہ کی ترے دُورِ سیاہ میں

پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے ٹوکہ برقِ تجلی سے دُور ہے بے در و تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوزِ دُروں پر نظر نہیں

میں جو شرِ اضطراب سے سیما بے ار بھی آگاہِ اضطرابِ دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار خوابیدہ اس شرم میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیازِ رفعت و پستی اسی سے گل میں مہک شرب میں تھی اسی سے

بستانِ و بیل و گل و بو ہے یہ آگہی

اصل کشاکشِ سن و ثو ہے یہ آگہی

صبحِ ازل جو ہوا بستانِ عشق آوازِ کن ہوئی تپشِ آموںِ جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہارِ دیکھ ایک آنکھ لے کے خوابِ یسانِ ہزار دیکھ

۶۶

بانگِ رے را

۶۰

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جو کی
 وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
 شامِ سراقِ صبح تھی میری نو کی
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
 قیدی تھی اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
 غربت کے غم کے کو وطن جانتا ہوں میں
 یادِ وطن فسرِ دلِ بے سبب بنی
 شوقِ وطن کبھی کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ حال دیکھ
 مضمونِ فراق کا ہوں ثرِ نشانِ میں
 مسجودِ ساکنانِ فلک کا مال دیکھ
 باندھ مجھے جو اُس نے تو چاہی میری نو
 اس تکِ طبعِ ہنسِ کم و مکانِ میں
 گوہرِ کوشتِ خاک میں پہنا پسند ہے
 تحریر کر دیا سہوِ یوانِ ہست بود
 چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے
 بندش اگرچہ ہے مضمونِ طلب ہے
 عالمِ ظہورِ جبروتِ ذوقِ شعور ہے
 طوقِ کاٹے حسنِ تماشا پسند ہے
 اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں
 بامِ سرم بھی طائرِ بامِ سرم بھی آپا
 منزل کا اشتیاق ہے کم کردہ اہ ہوں
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیا ہوں
 صیادِ آبِ حلتِ ترومِ ترم بھی آپ
 میں حسنِ چوں کہ عشقِ سراپا لہز ہوں

ہاں آشنائے لب جو نہ راز کس کہیں
پھر چھپڑ نہ جلتے قصہ دار و رس کہیں

ایک آرزو

دنیا کی محلوں سے اکتا گیا ہوں یارب!
شورش سے بھاتا ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا
میرا ہوں خاشی پڑیا آرزو ہے میری
ازاد فکر سے ہوں عزت میں دل لزاروں
لذت سرور کی چو پٹریوں کے چھپو میں
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ہو ہاتھ کا سر حنائی سبز سے کا ہو بھپو نا
مانوس اس قدر ہو صوست سے میری بیل
صف باندھے دو نون جانب بوٹے سر پہ ہوں
ہو دل فریب ایسا کسار کا نطفہ راہ
کیا نطفہ انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
ایسا سکوت جس پر تیر بھی بند ہو
دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھنوپڑا
دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
چشمے کی شورشوں میں باجاسا بج رہا ہو
ساعتِ روز اساکو یا مجھ کو جہاں نہا ہو
شرائے جس سے جلوت خلوت میں وہاں
نتھے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مرا ہو
ندمی کا صاف پانی تصویر کے رہا ہو
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

۷۸

بانگ درا

۶۲

آنکھیں میں میں کی سویاں ہوا ہوسبرہ
 پانی کو چھو رہی تھک جھک کے گل کی
 مہندی لگائے سوچ جب شام کی دھن کو
 راتوں کو چنے والے چائیں تھک کے جس دم
 بجلی چمک کے اُن کو کٹیا مری دکھائے
 پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موزن
 کانوں پہ ہونہ میسے دیر جو رسم کا احسا
 پھولوں کو اسے جس دم شبنم وضو کرنے
 اس خاشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے سین کوئی آئینہ دیکھتا رہا
 سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قسب
 اُتار دُن کی میسر اُٹوٹا ہوا دیا
 جب آسمان پہ ہر سو بادل گھرا ہوا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نہا
 رونا مرا وضو ہو، مالہ مری دعا
 تاروں کے قافلے کو میری صدا
 ہر در و سنڈل کو رونا مرا رلا دے
 بے ہوش جو پٹے ہیں شاید انھیں جگا دے



اقصاب

شورشِ خانہٴ انساں سے جلاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلکِ جو جس کے وہ غم ہے تو
ہو دگر کوششِ عروسِ صبح وہ کوہر ہے تو جس پہ پائے افقِ نازاں ہو وہ زیور ہے تو

صفحہٴ ایام سے دُناعِ مداوِ شبِ مٹا

آسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو کلبِ مٹا

حُسنِ تیرا جب اباہمِ فلک سے جلوہ گر آنکھ سے اُٹتا ہے یک دم غمِ اب کی مے کا اُٹ

نور سے سور ہو جاتا ہے دامنِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

دُھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلوہ چاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھلے حوصلے زندگی بھر یہ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ وبالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امیازِ ملتِ آئیں سے دلِ آزاد ہو

بانگِ درا
۶۲

بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری رہا
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
ویدہ باطن پہ رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں

عقدہ ضدِ ادا کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حُسنِ عشقِ انجمنِ ہر شے میں نظر آتے مجھے

صدِ مہ آجاتے ہوا سے گل کی تپتی گوار
اشکِ بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر
دل میں سوئے محبت کا وہ چھوٹا سا شہر
نور سے جس کے ریلے رازِ حقیقت کی خبر

شاہِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیرِ ہمدردی انساں کو لی ہوا نہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامِ عالم نہیں
فیضیت کا نشان لے عطرِ نسیم نہیں
اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہمسرِ یکِ فترۂ خاکِ رِ آدم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ کرم تماشا ہی رہا

اور تو منتِ پیہرِ صبحِ منہ رہا ہی رہا

آرزوِ نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
سیلی ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر لذت کشو عقدہِ مشکل میں ہے
لطفِ صمدِ حاصلِ تارِ مری سہی بے حاصل میں ہے

دروِ استفہام نے اُفتِ ترا پہلو نہیں
جستجوئے رازِ قدرت کا شناسا تو نہیں

دروِ عشق

اے دروِ عشق! ہے گہرا بے اُرتو
پنہاں تیرے نقابِ ترمی جلوہ گاہ ہے
اکی نئی ہوا چمن بستِ بود میں
ہاں، خود مساتیوں کی تجھے جستجو نہ ہو
نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار ثوبا
ظاہر پرست محسنِ نو کی نگاہ ہے
اے دروِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں
سنت پذیرِ نالہ بے سبیل کا ثونہ ہوا
خالی شرابِ عشق سے لالے کا جام ہو
پنہاں درونِ سینہ کہیں راز ہو ترا
پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو
اشکِ جگر کہ از زہمتِ راز ہو ترا
گو یا زبانِ شاعرِ زنجیںِ بیاں ہو
آواز نے میں شکوہِ فُرت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے ہیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو ملیں بے مہیں چھپ کے بیٹھ رہ

غافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ
جو یا نہیں ترمی نگرہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو حیرت میں چھوڑ دینا حکمت پسند کو
 جس کی بہار تو ہو یہ ایسا چمن نہیں قابل ترمی نمود کے یہ انجمن نہیں
 یہ انجمن ہے کشتہ نظارہ محباز مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے از

ہر دل مے خیال کی کستی سے چور ہے
 کچھ اور اس جھل کے کھیموں کا طور ہے

گل پر مردہ

کس زبان سے گل پر مردہ تجھ کو گل کہوں کس طرح تجھ کو مستائے دل بنیں کہوں
 تھی کبھی موج صبا کہوارہ جُنِ بیاں ترا نام تھا صحیح کُستیاں میں گل خنداں ترا
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو ہوا تھا
 باغ تیرے دم سے گویا طبع عطف تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا ہے نہاں تیری اُواسی میں دلِ بیاں مرا
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
 ہر چوئے از نیستانِ خم و حکایت می کنم بشنوائے گل از جُدا تہا شکایت می کنم

سید کی لوحِ تربت

اے کہ تیرا مرغِ جانِ تیرا نفس میں ہے کیا
اے کہ تیری روح کا طائرِ نفس میں ہے کیا
اس چمن کے نغمہ پسندوں کی آزادی تو کچھ
شہرِ حوا بڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو کچھ
فکرِ رہتی تھی مجھے جس کی وہ نسل ہے یہی
صبر و استقامت کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

نگِ تربت ہے مرا کوئی تفتِ تیرا کچھ

چشمِ باطن سے فرا اس لوح کی تحریر کچھ

مدِ عاتیرِ الرُوسیا میں ہے تعلیم میں
ترکِ رُوسیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہِ مشرہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ لوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگِ پر جواب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدِ تیرے تو سن سیری صدا
ہے دلیری ستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ طلب کے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

۸۲

بانگِ درا

۶۸

بندہ مومن کا دل ہیج ویا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا کرتا تھا میں تیرے خانہ معجزِ مسم
شیشہ دل ہوا کرتا تھا شالِ جامِ بسم
پاک رکھ اپنی زبانِ تہیہِ رحمانی ہے تُو
ہونہ جانے بھینسا تیری صدا بے آبرو

سوئے والوں کو جگائے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلائے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی عرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے آگے آگِ نیل
طشتِ لڑوؤں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشرِ قدرت کے لیا کھولی ہے فصیحِ آفتاب

چرخ نے بالی چرائی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے غیم کی

قافِ تیرا وہاں بے منتِ بانگِ درا
گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پرا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تُو
ہے وطنِ تیرا کہ صحرس و یس کو جاتا ہے تُو

۸۵
بانگِ درا
۶۹

ساتھ اے سیارۂ ثابت نہالے چل مجھے خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے ایسے کل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس بستی میں

طفلیکِ سیما بپاہوں مکتبِ بستی میں

انسان اور بریم قدرت

صبحِ خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے
بریمِ معمورۂ بستی سے یہ پوچھا میں نے
پر تو مہر کے دم سے ہے اُجلا تیرا
سیمِ سیال ہے پانی تے دریاؤں کا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
گل و گلزار تے حسد کی تصویریں ہیں
یہ بھی سورۂِ دانش کی تفسیریں ہیں
سُرخ پوشاک ہے چھپو لوں کی درختوں کی ہری
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
ہے ترخمیہ کُردوں کی طبعی جبار
بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر نطنہ
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مے گلزارِ خمِ شام میں تو نے ڈالی
رُتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تیرے سیری
پرودۂ نور میں ستور ہے ہر شے تیری
صبحِ اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا
زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی باد چوں اس نور کی بستی میں مگر جل کیا پھر مری تعسیر کا اختر کنوئل؟

نور سے نور ہو طلست میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیہ روز سیہ بخت سیہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی باہم کروں سے ویا صحن میں سے آئی

ہے تے نور سے ابستہ مری بود و بود باغباں ہے تری ہستی پے گلزار چو

انجمن حسن کی ہے تھی تری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے بار جو مجھ سے اٹھا وہ اٹھایا تو نے

نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری اور بے منت خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں پر گلستان سیرا منزل عیش کی جا نام ہو زنداں سیرا

اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے! حلفت در ام تم ست میں الجھنے والے

ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز نازیب تھا تجھے تو ہے مگر گرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سیہ روز ہے پھر نہ سیہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

اُجالا جبے اور خست جبین شب کی افشاں کا
 نسیم نہ کی سپہ لانی صبح خنداں کا
 جگمگایا بیل رنگیں نوا کو آشیانی میں
 کنائے کھیت کے شانہ پلایا اس نے دھتیاں کا
 طلسمِ طشتِ شبِ سورہ والٹور سے توڑا
 اندھیرے میں اڑایا تاجِ زرِ شمعِ شبستاں کا
 پڑھا خوابِ بیدارِ دین پر افسونِ بیداری
 برہن کو دیا سپہ منہ خورشیدِ خفاں کا
 ہونے بامِ صرم پر آکے یوں گویا موتوں سے
 نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا
 ٹپکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر ٹپے ہو کر
 چٹک اغنچہ گلِ اُتو موتوں سے گلستاں کا
 دیا یہ حکم صحر میں چلو اے قافلے والا
 چلنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا
 سوئے گورِ غریباں جب گئی نندوں کی بستی
 تو یوں بولی لطفِ راہ دیدہ کرشمہ خروشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں بھر بھی آؤں گی
 سُلاووں گی جہاں خواب سے تم کو جگاؤں گی



۸۸

بانگِ درا

۷۲

عشق اور موت

(ماخوذ از مثنوی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی لٹری تھی تبسمِ فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں سر کو تاجِ زر پہل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
بسیہ پیرِ جن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہ کام سے بے خودی تھی
اُٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی حورِ چوٹی کو کھولے لٹری تھی

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں

مکان کہہ رہا تھا کہ میں لامکان ہوں

غرض اس قدر نیط سارہ تھا پیارا کہ نیط سارگی ہو سدا پانٹارا
ملک آزماتے تھے پرواز اپنی جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتلا تھا بے تاب یوں کا
 پے سیر فرو دس کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں خست ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جاوے نیستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
 شکستی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے نفست کو جب قضا کی
 گرمی اس مستم کی بجلی اسل پر
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اجل ہوں مرا کام ہے آشکارا
 بھجاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بے ت کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
 قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

۹۰
 بانگِ درا
 ۷۲

زُہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سنا تاہوں کہانی
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کہتے تھے کہ پہاں ہے تصوف میں شریعت
لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
مدت سے ہاتھ تھے ہمسائے میں سے
حضرت کے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا؟
سنا تاہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
سمجھا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کہتے تھے اوبان کا اعلیٰ و ادانی
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں سانی
تھی تہ میں کہیں دُرو خیال ہرسانی
منظور تھی تعدادِ مریدوں کی بڑھانی
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
اقبال کہ ہے شمری شمشادِ معانی
گو شر میں ہے رشکِ کلیمِ ہدائی
ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی
تفصیل علیٰ ہم نے سنی اس کی زبانی
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

۹۱
بانگِ درا
۷۵

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مُریدوں کے ہے میں نے
 مجموعہ اُضداد ہے اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہِ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طول دیا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب
 اک دن جو سہرا ملے حضرت زید
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی جگہ مجھ کو نہیں ہے
 خم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی مناسب ہے کہ اقبال کو دیکھوں
 اس رز کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانندِ سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفّاتی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سنی اپنے اُجبالِ زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مرارہ شریعت کی دلکھانی
 یہ آپ کا حق تھا زورِ قربِ مکانی
 پیری ہے تو اضع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصورِ ہمدانی
 گہرا ہے مرے بھر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشکِ فشانہ

۹۲
 بانگِ درا
 ۷۶

اقبال بھی قہال سے گاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تسخر نہیں اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم منزلِ صنعت کے پیا ہیں دستِ پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہ قریبائے قوم شاعرِ زندیں نوا ہے ویدہٴ سینائے قوم
بستائے رو کوئی عضو ہو کوئی ہے انکھ

کس قدر ہمدِ دسارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

دل

قصہٴ دار و رسن بازیِ طعن لائے دل التجائے ارنی سُخی افسانہٴ دل
یارب اس ساغرِ لبِ ریزی کے کیا ہو گیا برب اس سارے ملکِ بستا ہے خطِ پیا نہ دل
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بلی یارِ ابرِ رحمت تھی عشق کی بلی یارِ ابر
حُسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا تو نے منہ ہوا نہ لکھو اکبھی ویرانہٴ دل
عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر کس کی منزل ہے الہی امر کا شائد دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سوا اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ سترِ پُرِ اندہ دل
 عشق کے دم میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
 برق لگتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عینِ پستی ہے تڑپِ صورتِ سیما مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پایاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی سلفہ لبر و اب مجھے

اب میں شل ہوا جاتا ہے ٹوسن میرا

خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے
 ہوں وہ رہر کہ محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فُرت میں پیشاں ہوں میں

رخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

رخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں
آہ اس آباد ویرانے میں گھبراہٹوں میں
بسکہ میں افسردہ دل ہوں درِ بحرِ نل نہیں
تو مرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ نیر
توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
گو بڑی لذت ہے ہنسکا مر آرائی میں ہے
اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
مہ توں تیرے خجے و آرائوں سے ہم صحبت ہا
مہ توں بیٹھا ترے ہنسکا ترے عشرت میں
مہ توں ٹھونڈا کیا نطفہ ارہ گلِ خنار میں
روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں
چشمِ حیران ٹھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آہ وہ یوسف نہ ہا تھا آیا ترے بازار میں
آرزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتیرا چمن جاتا ہوں میں

رخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ دہن کھسار میں
آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں

ہم شہینِ بگس شہلا، رستقِ گل ہوں میں ہے چمن میرا وطن، ہمسایہِ عجب ہوں میں
شام کو آوازِ چشموں کی سلاتی ہے مجھے صبحِ فرشِ سبزے کو تل جگاتی ہے مجھے

ہم ہستی میں ہے سب کو محفلِ آرائی پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کُنجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آوازی میں یہ ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس غم کوہ کی آوی میں یہ؟

شوقِ کس کا سبزہ اروں میں بھرتا ہے مجھے اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کُنجِ عزلت کا ہوں میں دیکھ اے غافل! پیامی ہر دمِ قدرت کا ہوں میں

ہم وطنِ ششاد کا قمری کامیں ہم از ہوں اس چمن کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنانے کے لیے دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے

عاشقِ عزلت ہے دلِ نازاں میں اپنے گھر پہ خندِ زن ہوں سندِ ارادہ اس کند پہ

لیٹنا زرخیر کھتا ہے جاؤ کا اثر شام کے تاریے چب پڑتی ہو رہ کر نظر

علم کے حیرت کدے میں کہاں اس کی نو

گل کی تپتی میٹھن آتا ہے از ہست بو



طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے چھین لے تو چلا تے تو مہرباں ہوں میں مجھے نا مہرباں سمجھا ہے تو

پھر رپڑاوتے گا اے نوار و استیغیم غم چھ نہ جائے دیکھنا ابار کیا ہے نولِ تسلیم

آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیسا ہے

کھیل اس کا غم کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیر کی کہاں چینی کی بٹی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرارِ آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوتِ آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ استیغیم

تیری آنکھوں پر پیویدا ہے مگر قدرتِ کار

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلا تے تو کیا مٹا سنا ہے رومی کا غم سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی تیرا تو تلوں آشنا، میں بھی تلوں آشنا

عارضی لذت کا شیدا تے ہوں چلا تے ہوں یہ جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

میری آنکھوں کو ابھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری
تیری صورت گاہ لریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

تصویر درد

نہیں منت کش تاشِ نیندِ داستانِ مری
یہ دستورِ باں بندی ہے کیا تیری محفل میں
خوشیِ لغت کو ہے بے بانی ہے باں مری
اٹھائے کچھ رقصِ لالے نے کچھ رقصِ کچھ گل نے
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے باں مری
اڑا لی قمریوں نے بطوطیوں نے عینِ سبوں نے
چمنِ مینِ طرفِ بکھر چکی ہے داستانِ مری
سراپڑوں حشرِ بھری ہے داستانِ مری
الہی پھر کیا ہے یہاں دنیا میں ہے کا
حیاتِ جاوداں مری نہ مرلِ ناگہاں مری
وہ گل ہوں غمناں گل کی ہے یا خزاں مری
مرادِ مانہیں و نہ ہے یہاں گلستاں کا

”دیں حسرتِ سرِ عمرِ سیتِ افسونِ جبرِ ارم
رفیقِ دلِ تپیدِ نہا خروشِ بے نفسِ ارم“

ریاضِ ہرینِ ناشناختے بزمِ عشرت ہو
 غمِ روتی ہے جس کو ہمیں محرومِ مسرت ہو
 سری بڑی ہوئی تفتید کو روتی ہے گویائی
 میں فربہ شہزادہ کو شہساعت ہو
 پریشان ہوں میں شتِ خالِ لکین کچھ نہ کھلتا
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں لکڑی و لڈرت ہو
 یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصدِ قدرت کا
 سرِ پانور جو جس کی حقیقت میں عظمت ہو
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو شتِ خالِ صحرانے
 کسی کو کیا ہے میں کیا ہوں کس کی دولت ہو
 نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی
 میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو
 نہ صہبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
 میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے از دوعالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے

وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
 کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیسے ہم بانوں میں
 اثر یہ بھی ہے اکل میرے جنونِ فتنہ سامان کا
 مرا آئینہ دل ہے قصا کے راز دانوں میں
 رلاتا ہے نظارہ اے ہندوستان! مجھ کو
 کہ عبرت خیز ہے ہر افسانہ سببانوں میں
 دیارِ فنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
 لکھا کلامِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
 نشانِ گلِ تلک بھی نہ چھو اس باغِ گلچیں
 ترمی قسمت سے نرم آریاں میں باغبانوں میں

چھپا کر استیں ندیں بکلیاں رکھی ہیں گروں نے
 غافل غافل صد میری یہ سیچ چیز ہے جس کو
 وطن کی فکر کرنا وہاں مصیبت آنے والی ہے
 ذرا دیکھ اس کو کچھ پورا رہا ہے ہونے والے
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فرما دیکر
 نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
 عنادِ باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
 تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
 دھڑکیا ہے بھلا عہد کُن کی دستانوں میں
 زمین پُتو ہوا و تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمھاری استان تک بھی ہوئی دستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل میں کام زنِ محبوبِ فطرت ہے

ہوید آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جدانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ نہاں سے
 گدغچوں کی صوت ہوں دلِ درو آشیانہ
 پُرنا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے ثنائوں کو
 مجھے اے ہم نشیں رہنے دشغلِ سینہ کا ویس
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
 ہو روئے محفل کو گھٹاں کر کے چھوڑوں گا
 تری تاریک اتوں میں صرغیاں کر کے چھوڑوں گا
 چمن میں مُشتِ خال اپنی پشایں کر کے چھوڑوں گا
 جو شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

۱۰۰
 باغِ رے
 ۸۲

جو ہے پروں میں سہاں چشم بنیادیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے نل کو آشتا تو نے
گزار می عمر پستی میں مثال نقش پاتو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشتا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی آواؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی آوا تو نے
تعبیب چھوڑنا دانا دہر کے آئینہ خانہ میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
سراپا نالہ بسید او سوز زندگی ہو جا
کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں جنا تو نے
صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ دتا ہے
زباں سے لڑ کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
کنوئیں میں تو نے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
اے غافل! جو مطلق تھا حقیت کڑیا تو نے

ہوس مالکے منبر ہے تجھے نگین بیانی کی
نصیحت بھی تیری رستے ہاں افسانہ خوانی کی

دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نرم کو
جو ٹرپاتا ہے پرانے کوڑاواتا ہے شبنم کو

نرا نظارہ سی اے بوالہوس مقصد نہیں کا
 اگر دیکھا بھی اُس نے سائے عالم کو تو کیا کھیا
 شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
 نہ اٹھا جذبہ عور سے اک گل تک بھی
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے دم کو
 یہ رفعت کی متن ہے کھلے اُڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
 پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر دماں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا پر دُکھ کی ہے مجبوری تیغ اُردو رہنا
 شرابِ خودی سے تافک پوار ہے میری
 علاجِ زحمت ہے آزادِ احسانِ نور رہنا
 شکستِ رنگ سے سکھایے ہیں بن کے نور رہنا
 تھے کیا دیدہ کریاں وطن کی نوحہ خانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شلخ گل پر اشیاں اپنا
 جو توبہ سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
 یہ استغنائے پانی میں نگوں کھتا ہے ساغر کو
 غلامی ہے اسیرِ استیازِ ماو تو رہنا
 تجھے بھی چلیے شلِ جاپا بھر رہنا
 اگر منظور ہے دنیا میں اور گناہ خور رہنا
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

۱۰۲

بانگ درا

۸۶

شرابِ پُوح پڑے محبتِ نوعِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو مستِ جام و سبور ہنسا
محبت ہی کپاتی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیمار قوموں نے

بیابانِ محبت وشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی جس بھی کارواں بھی راہِ سیر بھی راہِ نر بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو، یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کُن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سہرا پاؤں ہو جانا یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، کوہن بھی ہے
اجازا ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو سے اہل وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے
سکوتِ آموز طولِ ہستانِ درو ہے ورنہ زباں بھی ہے سہارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

”نیکر وید کو تیرے تیرے معنی رہا کروم
حکایتِ بود بے پایاں، سخاموشیِ ادا کروم“



نالہ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آخرائے محنت کی اکلیں آہِ بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں
آگیا آج اس صداقت کا مے دل کو یقین طہمتِ شب کے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

”مازا غوش و عیش و اش و اغ حیرت چیدہ است

پہچو شمع کُشتہ چرخِ شمع نگاہِ بیدہ است“

گُشتہ غزلت ہوں، آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہر سے سوائے شدت میں نکل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہرِ تسکینِ سیری جانبِ ڈٹتا آتا ہوں میں

آکھ گھو مانوس ہے تیرے درو دیوار سے

جنبت ہے مگر پیدامری رفتار سے

ذرہ میرے دل کا غور شدہ آتشا ہونے کو تھا آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخلِ سیریِ آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہِ کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابرِ رحمت و امن از گلزارِ سن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت

۱۰۴

بانگِ درا

۸۸

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرۂ بریں اے علم
تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم
تیرے دم سے تھا سارے سر میں بھی سوائے علم
”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سحرِ دانند

خالِ محسنوںِ اغبارِ خاطرِ صحرانند“

کھول دے گا دشتِ دشتِ عقدہ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حیراں تری تصویر کو
کیا تہی ہو ملکر دیدہ نصیر کو
”تابِ گویائی نہیں کھستادین تصویر کا

خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا“

چاند

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن
میرے گم دریا نے دل تیری شش سے مجھ جن
قصہ کس محفل کا ہے آتا ہے کس محفل سے؟
زور و روشاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو
افرمیش میں سراپا نور تو طلعتِ جہنم میں
اس سحر و زمی پسین تیرا ہم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیر سے
تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اگر تسم تری فتا ہے
سیری گردش بھی شال گردش چکا ہے
زندگی کی وہ سیر گردش میں
تو فروزاں محفل سستی میں ہے سوانح میں
میں منزل میں توجہ تو بھی منزل میں ہے
تیری محفل میں جوج خاموشی ہے کیسے دل میں ہے
تو طلب خوب تو میرا بھی یہی دستور ہے
چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے
انجمن ہے ایک سیری بھی جہاں رہتا ہوں
بزم میں اپنی اگر ملتا ہے تو تنہا ہوں میں
مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغام اجل
محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوہ حسن ازل
پھر بھی اے ماہر بس میں رہوں تو اور ہے
در و جس پہلو میں اٹھتا ہوں وہ پہلو اور ہے
گردہ میں ظلمت سراپا ہوں سراپا نور تو
سیکڑوں منزل ہے فوج آگہی نے تو

جو مری سستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
یہ چمک ہے جس میں سستی محروم ہے

بلالؓ

چمک اٹھا جوتا ترے مقدّر کا
جس سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی
ترمی غلامی کے صدقے ہزار آزادی

۱۰۶
باقی ہے ردا
۹۰

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مرنے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں جوتی ہے دھبتا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ اواشناس تری شرابِ پیسے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نطائے کاشلِ کلیم سودا بھتا اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید خاکِ دل کے پسِ دے نیا ساید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبار کہ خندہ زن تری طلت تھی دستِ موسیٰ پڑ

پیشِ زشعلہ رفتند بڑل تو روند

چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصل تو روند

اوائے دیدِ سپا نیا ز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نطائے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدِ اعمام تھا اس کا

سرگزشتِ آدم

مٹنے کوئی مری غربت کی داستان مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعتِ ریاضِ حُث میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 ملا مزاجِ تغتہ پرند کچھ ایسا
 نکالا کبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ نظم میں طور پر خوب
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حرام میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اکبرِ دروہانی
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا دروں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل و دین میں نے
 بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے
 پیاشو رکا جب جامِ آشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ شیں میں نے
 کیا تہِ رازِ نہ زیرِ فلکِ کس میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازلِ زیرِ استیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چیں میں نے
 خلافِ معنی تسلیم اہل دین میں نے
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل و دین میں نے

۱۰۸

بانگِ درا

۹۲

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جستاروں کی
 ڈرا سکرئیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز ہویدا لیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطرب کو
 انجی سال میں آئیں گزار دیں میں نے
 سکھایا سدا گروش زمین میں نے
 لگا کے آتش عقل و ور میں نے
 بنا دی غیتِ جنت یہ سرزمین میں نے
 کیا خبر نہ ملی آہ! راز ہستی کی
 کیا حسد سے جہاں کو تنہا میں نے

ہوئی جو چشمِ ظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکین میں نے

ترانہ ہندی

سلائے جہاں سے اچھا پسندوستان ہمارا
 غربت میں چل کر ہم رستہ ہے دل وطن میں
 ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ ہستیاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
 گلشنِ بہار کے دم سے شک جہاں ہمارا
 اتر اترے کنا سے جب کارواں ہمارا
 اے آپ و لنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟

مذہب نہیں رکھتا آپس میں بیکر لکھنا
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 یونان مصر و ماسب مٹ گئے جہاں سے
 اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 صدیوں رہا ہے دشمن و در زمان ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کیا کسی کو ورنہ ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانی چمن میں
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
 آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ
 یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں
 تلمہ کوئی کہ ہے مہتاب کی قبا کا
 ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیر میں
 حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
 لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

۱۱۰

بانگ درا

۹۲

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
 پروانے کو تپش دی، بگنو کو روشنی دی
 رنگیں نو اسب یا مرنے کے زبان کو
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
 نظارہ حسن کی خوبی زوال میں تھی
 چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی ندی دی
 رنگیں کیا سحر کو بانگی دُلہن کی صورت
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
 سایہ دیا شخص کو، پرواز دی ہوا کو
 پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ استیاز لیکن ال بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھپک ہے
 انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں چپک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا
 واں چاندنی ہے جو کچھ پائیں دروں اسکے
 انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رنہ
 نغمہ ہے نئے طبل، بوم بھول کی چھک ہے
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 جگنو میں جو چپک ہے وہ بھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کسوں سنگاموں کا محل ہو گا

ہر شے میں جبکہ پنہاں شے موشی ازل ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
میسے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی
اس بندگیِ زمین و آلوں کی بستی اچھی
آسمان کیا، عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صہد چاکِ لفن ہے میرا
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساتی موت کے ہاتھوں سے صبحی پنا
نہ یہ خدمت نہ یہ عہد نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چلنے سے تو غفلت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ است برنما

قصرِ دریا میں چلتا ہوا کوہِ غربت

واں بھی موجوں کی کشائش سے جھل لھرتا
چھو کر کب کہیں زیبِ گل ہو جاتا
جسے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قصیر بن کر
ایک پتھر کے جوتلڑے کا نصیب جاگا
خاتمِ دستِ سیماں کا نگین بن کر
ایسی چیزوں کا ملکہ ہر میں ہے کامِ شکست
ہے لہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست
زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
کیا وہ جیسا ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

۱۱۲
بانگِ درا

۹۶

ہے یہ نخبِ سام الرزینتِ عالم ہو کر

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھول چشمِ ہول

کسی پیشانی کے افشاںِ کستاروں میں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں

اشکِ بن کر مژگاہں کے اکٹک جاؤں میں
کیوں نہ اُسنجی کی آنکھوں کے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر رُوں ہو کے زہرہ میں ستو
سُوئے میدانِ عتِ اُبتِ وطن سے مجھو

یاسِ اُمید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تصریح بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کو حیا طاقِ گویائی دے

زردِ رخصت کی گھڑی عارضِ ظلموں ہو جائے
کششِ حسنِ عینِ ہمِ ہرے افروز ہو جائے

لاکھ وہ ضبطِ کمرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
سُغِ بُرینِ پُرم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوزِ زمانے کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی کیسٹ

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
ناتک نے جس چمن میں وحدتِ کائیت گایا

۱۱۲
یا ناگے در
۴۴

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹھی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے ان ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے ستارے فارس کے آسمان سے پھر تابوے کے جس نے چمکائے لکشاں سے

وہ کیلے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے رب کی آتی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پر بت جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

نیا سوال

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے تیرے صنم کہوں کب تک ہو گئے پرانے

۱۱۲
بانگ درا
۹۸

اپنوں سے بے پیر رکھنا تو نے بتوں سے کیا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ آکے میں نے آخرِ دیر جسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیر سیتے کے پڑے اک بار پھر اٹھاویں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ شوقی مٹاویں

سوئی پڑی ہوئی ہے مدد کے دل کی سبھی
آہ اک نیا سوال اس دس میں بناویں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامنِ آسمان سے اس کا قفس ملا دیں

ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر و میٹھے میٹھے
سائے پجاریوں کو مے پیت کی ملا دیں

شکستی بھی شانتی بھی جھکتوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

داغ

عظمتِ غالب ہے اک مدد سے پیوند زمیں
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین

توڑ ڈالی موت نے غربت میں سینا ہے آہ
چشمِ محفل میں اب تک کیفِ صبا ہے آہ

آج لیکن سمنو اسرارِ چمن باتم میں ہے شمع روشن کچھ لہتی بزمِ سخن باتم میں ہے
بہل دلی نے باندھا اس چمن میں کشیا ہم نوا ہیں عجب دل بانغِ ہستی کے جہاں

چل بسا دُعا آہِ بہت اس کی یہ پوش ہے

آخری شاعرِ جہان آباد کا خاصوش ہے

اب کہاں وہ بانگِ چمن وہ شوخی طرِ بیاں آگ تھی کانورِ پیری میں جوانی کی نہاں
تھی زبانِ دُعا پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلیٰ معنی ہاں بے پردہ یاں محسوس میں ہے
اب سب کچھ نوحے کا سکوت گلِ کارا کون سمجھے گا چمن میں نالہِ بہلِ کارا

تھی حقیقت سے زخمت فکر کی پروازیں

اسکھٹ سحر کی نشین پر ہی پرواز میں

اور دکھلائیں گے مضمون کی بہنِ باریکیاں اپنے فلکِ ستارا کی فلکِ سپائیاں
تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر لڑوائیں گے یا تختیل کی نئی دنیا میں دکھلائیں گے
اس چمن میں جس کے پیدا بہل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحبِ عجا بھی
اُٹھیں گے آرزو ہزاروں شعر کے بُت خانے سے مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
بکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت ہوں گی اے ابِ جانی اتیری تعبیریں بہت

۱۱۶
بانگِ دہلی

سو بہو کھینچے گا یہ سکن عشق کی تصویر کو نہ

اٹھ گیا ناولنگسن مارے گا دل پر تیر کو نہ

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں تو بھی رولے خاکِ آبی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہانِ آباد اے سرمایہ بزمِ سخن! ہو گیا پھر آج پامالِ خسراں تیرا چمن

وہ گلِ نجس ترا خصلتِ مثال بُو ہوا او جہاں آبی داغ سے کاش نہ اُڑو ہوا

تھی نہ شاید کچھ ششِ اسی وطن کی خال میں وہ سرِ کامل ہوا پس کن کی خال میں

اٹھ گئے ساتی جو تھے مے خانہ خالی ہوا

یادِ کارِ بزمِ دہلی ایک حالِ رول

ارزو کو خون رُو لواتی ہے بیدِ او اہل مارتا ہے تیر تارِ ملی میں صہیتِ او اہل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن رہاں ہے خسراں کا رنگ بھی جبرِ قیامِ طہاں

ایک ہی قانونِ عالمِ صر کے ہیں سب اثر

بوتے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش بُو پھر پٹرسن کا

نہاں ہو اوجو رخ مہرِ سزیرِ دامنِ ابر
ہو اتے سرد بھی آئی سوارِ توسنِ ابر
گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ لکھٹا
عجیب ہے کہ قہ نے خروش ہے یہ لکھٹا
چمن میں کلم شاطِ دِ مام لاتی ہے
قبائے گل میں لہر مائے لواتی ہے
جو پھول مہر کی لہری سے سو چلے تھے اُٹھے
زمین کی کود میں جو پڑے سو ہے تھے اُٹھے
ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
اُٹھی وہ اُلھٹا، اُلوا، برس پڑا بادل

عجیب خیال ہے لہار کے نہالوں کا

یہ سبقِ پیام ہو واہی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگلو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہا تھا
چمکتی چیزِ ال و بھی زمین پر
اڑا طائر اُسے جنگلو سمجھ کر
کہا جنگلو نے او مرغِ نوارِ بزا
نہ کو بکس یہ منقارِ ہوس تیز
تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
بہا سن نور میں ستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

۱۱۸
بانگِ درا
۱۰۲

چمک تیری بہشتِ گوشِ اُتر ہے چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
 پڑوں کو میرے قد ریتِ ضیاء دی تجھے اُس نے صدائے دلِ بادی
 ترمی منفِ کار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شیشِ سوز
 قیامِ بزمِ مستی ہے انھی سے ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے

ہم آہِ تنگی سے محفلِ جہاں کی
 اسی سے ہمارے بس بوستاں کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ کب پروانہ خواہ
 شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی تیار ہوتا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنسِ بچہ کیا
 روشنی سے کیا بغلِ میری ہے تیرا مدعا؟

اس نظارے سے ترانہ تھا سادلِ حیران ہے
 یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چپان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سراپا نو ہے
آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو مستور ہے
دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا
شجہ کو خالِ تیرے کے فانوس میں پہناں کیا
نورِ تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ الہی
ہے غبارِ دیدہ بنیا حجابِ الہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سرتی سبے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریائے بے پایانِ حسن
آنکھ الٹ دیکھتے تو ہر قطرے میں طوفانِ حسن
حُسن کو ہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضوِ سترونی شب کی بسیہ پوشی میں ہے
اسماںِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے
شام کی ظلمتِ شفق کی گلِ فروشی میں ہے
عظمتِ دربر کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلابِ ناشناکی کوششِ گفتار میں
سائنِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
نقشےِ طائرؤں کی اشیاں سازی میں ہے
چشمہٴ لُسا رمیں دریا کی آزادی میں حُسن
شہرِ صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حُسن
روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوا
ورنہ اس صحرا میں کون نالاں ہے مثلِ حیرا!

حُسن کے اس عام جلوے میں بھی سبے تاس ہے

زندگی اس کی مثالِ ماری ہے آس ہے

۱۲۰

بانگِ درا

۱۰۴

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں مجوسُ رو ہے راوی
نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مرے دل کی
پیامِ جد سے کاریہ زیرِ وجم ہوا مجھ کو
جہاں تمام سوا جو دم ہوا مجھ کو
سرِ نثارِ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوائے امینِ شام
لیے ہے پیرِ فلکِ مستِ عرشہ دار میں جام
عدمِ کوفتِ افلہ روزِ یسز کا مچلا
شفق نہیں ہے یہ سوچ کے مچول ہیں لویا
کھڑے ہیں دورِ عظمتِ فزائے تنہائی
مستِ بارِ خراب گد شہسوارِ چغتائی
فسانہِ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمانِ سلف کی کتاب ہے یہ محل
مقامِ لیا ہے سروِ خموش ہے لویا
شجرِ یہاں بس بنے خروشن ہے لویا
رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفید تیز
ہوا ہے موج سے تلاج جس کا گرم ستیز
سبکدوشی میں ہے شبنمِ گاہِ شستی
نکل کے حلقہٴ حدِ نظر سے دور لستی
جہازِ زندگیِ آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکستے کی بھی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الْحَاجَّةُ مُسَافِرٌ

(بہ درگاہِ حضرت محبوبِ الہیؑ، دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیضِ عام ہے تیرا
سکے عشق کے تیری شش سے ہیں قائم
نظامِ سحر کی صوستِ نظام ہے تیرا
تری لحد کی باریک سے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اُنچپ مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں نگہِ محبوبی
بڑی ہے شانِ بڑا استرام ہے تیرا

السیاہِ دلم، داغِ لالہ زارِ توام
وگرث و جبینم، گلِ سارِ توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شلِ نہتِ گل
ہو ہے صبر کا منظور استحاں مجھ کو
چلی ہے لکے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرائیوں
کیا خدا نے مجھ تلجِ باغباں مجھ کو
فدا نشیں صفتِ مہر مہوں زمانے میں
ترمی و ساسے عطا ہو وہ نوباں مجھ کو
مقامِ ہم سفر سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کا واں مجھ کو

۱۲۲
بانگِ درا
۱۰۶

سرِ بانِ تسلیم سے کسی کا دل نہ دکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسمان مجھ کو
 دلوں کو چال کر سے شل شانہ جس کا اثر
 ترمی جناب کے ایسی بے فتنان مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ جس میں نے
 چمن میں پھر نظر آئے وہ اشیاں مجھ کو
 پھر اکھوں تدم تا رو پدِ رچہ بیس
 کیا جنھوں نے محبت کا راز دیاں مجھ کو
 وہ شمع بارگہ حنا ندانِ مضموی
 ہے کاشلِ حرم جس کا استاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری ازولی کی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ حنا وندِ آسمانِ بزی
 وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ نسلِ عشق
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من تو
 ریاضِ ہر میں مانسِ گل ہے خنداں
 کہ ہے عزیز تر از جانِ ہ جانِ جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے
 یہ تجلے سنسنے قبول ہو جائے



عزلیات

گلزارِ بہشت بود نہ یکمانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چپ نہ اسے بار بار دیکھ
آیہ ہے توجہاں میں شالِ شرار دیکھ
وہم دے نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ
مانا کہ تیری دیکے قابل نہیں میں
تو ہمیں عاشق دیکھ مرا منتظر دیکھ
کھولی ہنرِ قریب نے آنکھیں تری اگر
پرہ گزر میں نقشِ شکرِ نپے یار دیکھ

نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی
مکرو عہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تھکے پیامی نے سب را زکھولا
خطا اس میں شبے کی سرکار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا
تری آنکھ سستی میں شہار کیا تھی!

۱۲۲

بانگ درا

۱۰۸

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد مگر یہ بت طے نہ انکار کیا تھی
کھینچے خود بخود جانب طور موسیٰ کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی



عجب اعظم کی دین اری ہے یارب! عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے چمک تارے نے پائی ہے جہاں سے
ہم اپنی درد مندی کا فسانہ سُنا کرتے ہیں اپنے راز و اس سے

بڑی باریک ہیں اعظم کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذان سے



لاؤں وہ تنکے کہیں سے اشیانے کے لیے بجلیاں بے تاب ہوں جہن کو جلانے کے لیے
وئے ناکامی فلاں کے تال کر توڑا اے میں نے جس ڈال کو تاڑا اشیانے کے لیے

اکٹھ مل جاتی ہے ہفتاد و دو تلت سے تری
 ایک پیمانہ ترا سائے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسماں میرے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چُن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے
 پاس تھا نا کامی صیاد کھائے ہم صغیر
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے!

اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ آزاد می کالیت
 آہ! گیشن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن کے میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرت سے دام نہوا کیونکر ہوا
 جاتے حیرت پر اسائے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 لیا خبر ہے تجھ کو اے دل فصیلا کیونکر ہوا
 ہے طلب بے مدعا سونے کی بھی اک مدعا
 مرغِ دل دامِ مست سے رہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر کیا کیونکر ہوا
 حُسنِ کامل پہنچے ہو اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھا پروں میں نہاں خود نما کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درِ فراق!
 چارہ لرو لیوانہ ہے میں لا دوا کیونکر ہوا

۱۲۶

بانگ درا

۱۱۰

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت کُل
ہو کے پیدا خال سے نگہیں قبا کیونکر ہوا
پریش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیونکر ہوا

میرے ٹٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا باتوں اُن کا میرا سنا کیونکر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب بسنے والے ہیں
علاج درد میں بھی در کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے نول سوئے نکالے ہیں
پھلا بھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جلد کا خون دے دے کر یہ ٹوٹے میں کپے ہیں
رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نرالا عشق ہے میرا نزلے میرے نزلے ہیں
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانانِ بادِ رسنے کی
نہیں بگنائی اچھی رنسیقِ اہ منزل سے
امید جو نے سب کچھ سلکھا رکھا ہے واعظ کو
ٹھہر جا لے شرزم بھی تو آخر ٹٹنے والے ہیں
یہ حضرت دیکھنے میں ہے سادے بھولے بھالے ہیں

مے اشعار اے اقبال! کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درگمیز نالے ہیں



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی
منصور کو نہو الہام کو یا پیام موت
اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
عذر آفرین مجرم مجتہد ہے حسن دوست
محشر میں عذر مازہ نہ پیدا کرے کوئی
چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہم نشیں
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر حکیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
نظارے کو یہ جنبشیں شگاہ بھی ماریں
زُرس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مئے ہیں تنہائے شوق میں
دو چاروں جو سیری تماشا کرے کوئی



کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مے بازار کی رونق ہی سووائے زیاں تک ہے
وہ کس جوں فروغ مے سے جو گلزار بن جاؤں
ہوائے گل فراق ساقی نامہر باں تک ہے

۱۲۸
بانگِ درا
۱۱۲

چمن افرنے ہے صیاد میری خوش نوائی تک
 دُشتِ خاک ہوں فیضِ پریشانی سے صحرا ہوں
 جرسِ سخنِ نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر گڑبے میں
 سکونِ دل سے سامانِ کشود کار پیدا کر
 چمنِ زارِ محبت میں خموشی موت ہے بے بدل
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تنہا بھی
 رہی بجلی کی بے تابی سو میرے آئیناں تک ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی نہیں آسمان تک ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیلِ کارواں تک ہے
 کہ عقد و خاطرِ لہر و آب کا اب واں تک ہے
 یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فغان تک ہے
 ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہمان تک ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں ہر لمحے لائے نادانی!

سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ازواں تک ہے



جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہو تا مذاقِ حبسِ سانی سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیکے تو نے اے مجنون
 مہینے وصل کے گھڑیوں کی صوت اڑتے جاتے ہیں
 وہ نکلے میرے طلعتِ خانہ دل کے مہینوں میں
 مکان نکلا ہمارے خانہ دل کے مہینوں میں
 تو سنک آستانِ کعبہ جا ملتا حبسینوں میں
 کہ سیلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں
 مگر گھڑیاں جدائی کی لڑتی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تو اے نا خدا کیا غرق ہونے سے
 چھپا یا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
 جدا سکتی ہے شمع شہ کو موجِ نفسِ ان کی
 متناورِ دل کی ہو تو کر خدستِ فقیروں کی
 نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
 ترستی ہے نگارِ سب جس کے گنہگارے کو
 کسی ایسے شہر سے ٹھونک اپنے خرمِ دل کو
 محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
 سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسنِ عاشق
 پھٹل اٹھا کوئی تیری ادائے نامعِ فنا پر
 نمایاں ہو کر لکھلاوے کبھی ان کو جمالِ اپنا
 خموش اے دل ابھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
 کہ جن کو ڈوبنا سو ڈوب جاتے ہیں سبھیوں میں
 وہی نازِ آفریں ہے جلوہ پیرِ نازِ سببوں میں
 الہی الیا چھپا سوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
 نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خزانوں میں
 یہ بیٹھا لیے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں
 وہ رونقِ انجمن کی ہے انھی خلوتِ گزینوں میں
 کہ خورشیدِ قیامت بھی ہوئے غمِ شہِ چینوں میں
 یہ وہ ہے جسے لکھتے ہیں نازلِ اہلِ نبیوں میں
 بھلائے دلِ حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
 ترازتہ ہاڑھ چڑھ کے سب نازِ آفرینوں میں
 بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریک بینیوں میں
 ادبِ پہلا قریب ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
 کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نگلہ چینوں میں

۱۳۰

بانگِ درا

۱۱۲



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادگی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ تہن وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل چراغِ سخن ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں ازلی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے
 بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اعظما خدا وہ کیا ہے جو بندوں کے احترام کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی جو پوشیاری ہستی میں امتیاز کرے
 مدام کوشش بیل ڈایہ ساز ہے ایسا جو پوشکتہ تو پیدا نوئے راز کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے جو بے عمل یہ بھی حمت وہ بے نیاز کرے

۱۳۱
 بانگ درا
 ۱۱۵

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے
تمیز لالہ و گل سے ہے نالہ بے بس
جہاں میں نہ کوئی چشم امتیاز کرے
غرور زہد نے بکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ حن پر زباں دراز کرے

چہواہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
اڑاکے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دل غم سے غافل ہوں میں
ٹائے کیا اچھی لہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
میں جہی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرانی تھی
جو نہود حق سے سٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
علم کے دریا سے نہکلے غوطہ زن کو ہر بدست
وائے محرومی اخرف چین لبِ ساحل ہوں میں
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ملکوتے ہیں غافل ہوں میں
بزمِ ہستی اپنی آرائش یہ تو نازاں ہو
تو تو اک تصویفِ محفل کی اور محفل ہوں میں

دھونڈتا پھر تار ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی کو یا سا فر آپ ہی منزل ہوں میں



۱۳۲

باقی ہے در

۱۱۶



مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
 واعظ اقبال ترکے ملتے ہیں مراد
 تقسید کی روش سے تو بہتر ہے خود نشی
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرفِ غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبِ نیم کی طرح ٹھیلوں پہ او چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسمِ الگ سے بیٹھنا
 سوداگری نہیں یہ عبادتِ خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ لیا جو ہو نفسِ غیب پر مدد
 شوخی سی ہے سوالِ مکر میں اے کلیم
 نقطے کی پوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بے سمل نہیں ہے تو تو ترپت بھی چھوڑ دے
 اس باغِ مرقیہ ام کا سوا بھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی لکھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھر سا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑے

۱۳۳
بانگ درا
۱۱۷

۱۳۴
بانگ درا
۱۱۸

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

jabir.abbas@yahoo.com

۱۳۵
بانگ درا
۱۱۹

حامد
 دستِ پیر و سوادِ پیر (۱۱)
 ادبِ کرب

اد

آج ہر سزا گردوں کی آبرو - تو بھول گئی ہستی کی لو
 ریلوں جو ترے سے ملے نہاں - مٹاؤ نہ کر کے ریلوں آرزو
 میں غم کی ہر دھندلے بند پر - چکو چنچو چنچو چنچو
 اکہلہ درخت کی آواز نہ ملے - چکو چنچو چنچو چنچو

ان کا چنچو چنچو
 چنچو چنچو چنچو چنچو

میں ہم بھولتے ہیں
 اس کی یاد میں ہم بھولتے ہیں

تو ڈیڑھ دن ہے جھکنا رہے خاک کی تل - ہر گز نہ ہو
 رات کو دھلے بڑے بڑے کورے - بدلتے ہیں رات کو کھلے
 آج بچے دکھاؤ رخصت کی ریل - ہر رنگ کے رنگ کے رنگ
 نوادرات دور کی ریل پر ملو

سرسبز گلزار سے ریل پر ملو
 ان کے دل میں

۱۳۶

بانگ درا

۱۲۰

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے
 قرآنِ لباسِ نو میں بیکار سا لگتا تھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی ہت دلیوا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کہیں لگتا تھا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہِ کافر نسخہ
 نگاہیں نال میں رستی تھیں لیکن کیا لڑکی
 بڑھا تبیحِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایسا فکرِ بزل نے اُسے میدانِ امکان میں
 چمک تار سے مانگی چاند سے دُعا جگر مانگا
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے کہیں نگیانی
 ذرا سی پھر بوہت سے شانِ بے نیازی کی
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 نہ تھا واقف ابھی کر و شمسِ آئینِ سلم سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہلے عالم سے
 یوید اٹھی بننے کی تمنا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پابین بڑھ کر ساغرِ جم سے
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ عظم سے
 تنائے کی آخر برآتی سعیِ پیسم سے
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیر کی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
 حرارتِ لی نفسِ سحرِ سحرِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزی افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

۱۳۷
 مانگا سے دلا
 ۱۲۱

پھر ان اجزا کو لکھو لاپشہ حیوان کے پانی میں
موتوں نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
مرتب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے
گرہ لکھولی سہرنے اُس کے گویا کارِ عالم سے
ہوئی جنبشِ عیانِ ذروں نے لطفِ خواب کو چھوٹا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہدم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پانی داغ پائے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
ملا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا
شبِ وازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب اس کی
کہیں قریب تھا، کیفیت کو مرنے سنی
فلکِ پیام ہوئی اخترِ سحر نے سنی
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
بھرتے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار لیا
شبِ سیر کو آیا تھا سو گوار لیا

۱۳۸
بانگِ درا
۱۲۲

عشق نے کرویا تجھے ذوقِ تمش سے آشنا
 بزم کو شل شمعِ بزمِ حاصلِ سو ساز و
 شانِ کرم پہ ہے مدارِ عشقِ کرہِ شائے کا
 ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و
 صوبتِ شمعِ نور کی ہستی نہیں قبائے
 جس کو خدا نہ دہر میں لریہ جہاں لداڑے
 تائے میں وہ قمر میں وہ جہدِ لکھنؤ
 چشمِ نظارہ میں نہ ٹوٹے مرے امتیازے
 عشقِ بندِ بال ہے رسمِ مرہ نیازے
 حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی حجابِ نازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا شالہ ہے اثر
 اس میں وہ کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز و
 تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ ٹہن بدل لیتی
 اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز و

سوامی ام سیرتھ

ہم غلِ دریا سے ہے اے قطرِ قے تاب تو
 پہلے کو ہر تھا بہت اب کو ہر نایاب تو
 آہ لھولا کس اواسے تو نے رازِ رنگِ بو
 میں ابھی تک ہوں اسیرِ تسیارِ رنگِ بو

۱۳۹
 بانگِ درا
 ۱۲۳

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شراب محشر بنا
یہ شرارہ مجھ کے آتش خانہ آزر بنا
نفی ہستی ال کر شہ ہے دل آگاہ
للا کے دریا میں نہاں موتی ہے 'الا اللہ' کا
چشم نابینا سے مخفی معنی انجہام ہے
تھم لتی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
توڑ دیتا ہے ہستی کو ابراہیم عشق
پوش کا دُرو ہے لویا ستی سنیم عشق

طلبہ علی لڑھ کا لکھ کے نام

آوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے درمیں کھڑے کلام اور ہے
طاہر زریں دام کے نام لے تو سن چلے ہجوم
یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
اجی تھی کوہ سے صہدارِ حیات ہے سب کوں
کستا تھا سورنا تو اں لطفِ خرام اور ہے
جذبِ حرم سے ہے فروغِ انجمنِ حجاز کا
اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
موتے عیشِ جاوہاں فوقِ طلبِ الرنہ جو
گردشِ آدمی ہے اور گردشِ عام اور ہے
شمعِ سحر یہ کہ لیتی سوز ہے زندگی کا ش
عنم لہ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

باوہ ہے نیم رسل ابھی شوق ہے نارسا بھی
رہنے چشم کے سر پہ تم خشتِ کلیا بھی

۱۲۰

بانگِ درا

۱۲۲

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا مٹی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ مٹی

ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مہینِ سحر نہ مٹی

بساطِ لیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی

نفسِ جناب کا تائبِ شراے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسین سجرا غمِ فنا ہے تجھے لُنبہِ فلک کے اتر

ٹپکِ بندِ ہی کرؤں سے ہر شہِ بنم مرے یا ضِ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغیاں ہوں محبتِ بہار ہے اس کی

بنامِ شالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سبِ ستر نورِ عرشید کے طوفان میں منگنا سحر

جیسے ہو جاتا ہے کُلمِ نورِ کلمے کے لرا خیل چاندنی است میں متا کجا ہم رنگِ کنول

۱۲۱
باقی ہے ردا
۱۲۵

بسوہ طور میں جیسے یدِ مصیاتِ کلیم
سوجہ نکست گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سہیل محبت میں یونہی دل میرا

تُو مجھ نسل ہے تو ہنگامہ محفلِ جوں میں
حُسن کی برق ہے تُو عشق کا حاصلِ جوں میں
تُو سحر ہے تو مرے اشک میں شبنم تیری
شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفقِ تُو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
ترمی تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تُو باوہسا
میرے بے تابِ تخیل کو دیا تُو نے فترا
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مے اتینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھرکا لیا
تجھ سے سرسبز ہوئے میری اُمیدوں کے نہال
فائدہ ہو گیا آسودہ منہ دل میرا

.... لی لو د میں بلی دلیہ ل

تجھ کو دُور ویدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمزا آغازِ محبت کی ستادی کس نے
ہر اداسے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے چلتی ہے فکاوت کیسی

۱۲۲

بانگِ درا

۱۲۶

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سو جاتی ہے
 آئینہ تیری صفت آئینہ حیران ہے کیا
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونہچوں سے عجب ناز ہے یہ
 چھوڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ؟
 شوخ تو ہو گئی تو کو دمی سے تاریں گے تجھے
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 کیا تبس ہے تجھے کس کی تنائی ہے
 آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے
 خاص انسان سے کچھ حسن کا احساس نہیں
 صورتِ دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں سکھیں
 شیشہ دہر میں ماندے ناب ہے عشق
 دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کس ہے اس کی
 زرخِ خورشید ہے خونِ گلِ مستاب ہے عشق
 نوریہ ہے کہ شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب لکھاتی ہے سحرِ عارضِ رنگیں اپنا
 لکھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 جلدِ آتشِ مہر ہے یہ صبح کے مغازے میں
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سائے مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے منے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
تیرے جلوے کا شہین جو مے سینے میں
عکس آباد تو یہ راسخ کتنے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مے دل کے لیے
روشنی ہو تیری گوارہ مے دل کے لیے
دُورہ دورہ ہو مرا پھر طرب اندوزِ حیات
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوزِ حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں
صحفِ غنچہ ہم آغوشِ ہوں نور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیرے
تارے کہنے لگے تیرے
نظارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چوک چمکے
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

۱۲۲
بانگِ درا
۱۲۸

بے تاب ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب تارے انسان شجر، حشر سب

ہو گا کبھی ستم یہ سفر کیا

منزل کبھی آئے گی نظر کیا

کننے لگا چاند، نیم شبینو اے مریع شب کے خوش چینیو!

جُنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

ہے دوڑتا شہر زمانہ لھا لھا کے طرب کا تازیانہ

اس وہ میں مستام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا، نکل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حُسن آخان ہے عشق، نہتہا حُسن

وصال

جُستجو جس گل کی ٹرپاتی تھی اے بے بل مجھے خوبی قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے

خود ٹرپاتا تھا، چمن الوں کو ٹرپاتا تھا میں تجھ کو جب رنگیں نواپاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سہما تھا
از تکابِ جرمِ الفت کے لیے بے تاب تھا
نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آہنہ در شبِ دیجور تھی

از نفسِ در سینه نگوں شتہ نشتر و شتم

زیر خاموشی نہاں غوغائے محشر و شتم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ طُشَن پر گراں سیری غزلِ خوانی نہیں
عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلنے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نلے مے
غازہٴ اُفت سے یہ خالِ سیدہ اُفتینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدیم و یرینہ ہے
قید میں آیا تو حاصلِ مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے سیے لکھ کر کی بادی ہوئی
ضو سے اس نورِ شید کی اختر مرآتِ بندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک لطفِ کردی آدابِ فنا و سختی
اے خنکِ روزے کہ خاشاکِ مرا و اسوختی



۱۲۶

بانگِ درا

۱۳۰

سُلیٰ

جس کی نمود و بکھی چشم ستارہ ہیں نے
 خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
 صوفی نے جس کو دل کے غلّت کدے میں پایا
 شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانگین میں
 جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
 شبنم کے موتیوں میں، مچھلوں کے پیرہن میں
 صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
 ہنگامہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں
 ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
 آنکھوں میں ہے سُلیٰ تیری جمال اس کا



۱۲۷
 بانگ درا
 ۱۳۱

عاشق ہر جانی



ہے عجب مجموعہ اصدائے قہسِ بال تو
 رونقِ سنجائے محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 تیرے ہنکاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 زینتِ گلشن بھی ہے آتشِ صحرا بھی ہے
 ہم شہسواروں کا ہے تُو رفعتِ پرانے
 اے زمیں فرسا، قدم تیرا فلکِ پیا بھی ہے
 عینِ شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری بھڑیز
 کچھ ترے مسک میں ناکِ شربِ دنیا بھی ہے
 مثلِ بونے گلِ لباسِ رنگے عراں ہے تو
 ہے تو حکمتِ آفریں لیکن تجھے سوا بھی ہے
 جانبِ منزلِ واں بے نقشِ پاماندِ موج
 اور پھر اُفتِ اوٹلِ حاصلِ دریا بھی ہے
 حُسنِ انانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے
 تیری ہستی کا ہے آئینِ تعسّفِ تن پر مدّا
 تو کبھی ایک آستانے پر جبیں فرسا بھی ہے؟
 ہے حسینوں میں فنا نا اشنا تیرا خطاب
 اتنے ملوَنِ کیش! تو مشہور بھی رُسا بھی ہے
 اے لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیاب تو
 تیری بختابی کے صدقے ہے عجب بے تاب تو

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیاب تو

تیری بختابی کے صدقے ہے عجب بے تاب تو

۱۲۸

بانگِ درا

۱۳۲



عشق کی آشفگی نے کر دیا صحر ہے
 ہر تاروں اس کے پہلو رنگ پہ پہلو کا
 دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رستخیر
 آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
 گو سین باز ہے ہر لحظہ مقصود نظر
 بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تاشائے شاربِ جستا
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس خموش
 جستجو گل کی لیے پھرتی ہے اجڑا میں مجھے
 زندگی اُفت کی درونجا میوں سے ہے مری
 سچ اگرچہ تھو تو افلاسِ تخیل سے ہے وفا
 فیضِ سانی شبِ نیم آسمانِ طرفِ دل دریا طلب
 مجھ کو پیاد کر کے اپنا کھتہ چسپا کیا

مُشتِ خال ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں یہ کوائی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورِ دینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطربِ جنِ دل کُوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حُسن سے مضبوطِ پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
 سوزِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں
 ہونہیں سکتا کہ دل میں آشنا رکھتا ہوں میں
 آہِ اودہ کاملِ تحبلی مدعا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ بے پایاں ہے درِ ولادوار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزادِ دستورِ وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دم اک نیا محشرِ پیا رکھتا ہوں میں
 تشنہِ اتم ہوں تشنہِ زیرِ پا رکھتا ہوں میں
 نقشِ حُسن اپنے مصوے طار رکھتا ہوں میں

۱۲۹

بانگِ درا

۱۳۳

محفلِ مستی میں حبِ ایسا تنابِ علو تھا جس
پھر تخیلِ کس لیے نہ تھا رکھتا ہوش

دربِ بابا بن طلب پیوستہ می کو شمیم

سوجِ بحیم شکستِ خویش بر پوشیم

کوششِ ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و نما صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کے لیے

رہتی ہے قیسِ سوز کو سیلی شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطرب تابِ دوام کے لیے

کہتا تھا قطبِ آسمان قافلہٴ نجوم سے
ہم ہرگز میں ترس گیا لطفِ غم کے لیے

سوتوں غمِ ندیوں کا شوق بھر کا ندیوں کو عشق
موجبہٴ بحر کو تپشِ ماہِ تمام کے لیے

حُسنِ ازل کہ پروہ لالہ و گل میں ہے نہا
لہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے



۱۵۰

بانگِ درا

۱۳۲۲

نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش
جس کی ہر رنگ کے غموں سے ہے لبرِ زانوش
بربطِ کون مکان جس کی خموشی نیش
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں غموں کے مزا
محشرِ تانِ نو اکا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشش ہنگامہ میں جس کا سکوت

آہ! اتنی محبت کی بر آتی نہ کبھی

چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیمِ چمنِ طور کبھی
سمتِ کردوں سے سوائے نفسِ حور کبھی
چھیرا ہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہمارا روحِ گرفتار حیات
نغمہِ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قاف سے کو بانگِ در اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بہنم ہے مذاقِ رم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور
 نہ کھینچ نفثہ کہ کیفیتِ شرابِ طہور
 فراقِ حور میں ہوں غم سے پہلکار نہ تو
 پر می کو شیشہٴ الفنا میں اُتار نہ تو
 مجھے فرقتِ ساقی جمیل نہ کر
 بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 شبابِ آہ! لہاں تک اُمیدوار ہے
 وہ حُسنِ کیا کہ جو محبتِ چشمِ بنیا ہو
 وہ عیشِ عیش نہیں جس کا انتظار ہے
 نوؤ کے لیے منت پذیر ہوا ہو

عجیب چیز ہے احساسِ زندگانی کا
 عقیدہٴ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے!

انسان کو راز جو بنایا
 راز اس کی نگاہ سے چھپایا

۱۵۲
 بانگِ درا
 ۱۳۶

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اسی نے کئے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوئے بھر جاوہِ پیا

بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھلتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز لانے والا پیامِ بر خیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیا ہے مے شفق کا ساغر

لذتِ کیسے وجود پر شے سرست سے نمود پر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے متنابے تاب پالتا ہے جسے اغوشِ تخیل میں شباب

ابدی بنتا ہے عیالم فانی جس سے
جو سکھاتا ہے ہمیں سربہ لریاں ہونا
ایک افسانہ نگہیں ہے جوانی جس سے
منظرِ عالم حاضر سے لریاں ہونا
دور ہو جاتی ہے اُورال کی خامی جس سے
عقل لرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ جس کہیں ہے کہ نہیں
خاتمِ دہر میں یارب وہ نگہیں ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریلے نیلے ہائیڈل برک کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی شاخیں ہیں خاموش ہر شجر کی
واہمی کے نوا فروش خاموش کسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بے پوش ہو گئی ہے آنکھوں میں شب کے سولہتی ہے
کچھ ایسا سکوت کافسوں ہے نیکر کا حنہ ام بھی سکوں ہے
تاروں کا خاموش کارواں ہے یہ قافلہ بے درواں ہے
خاموش ہیں کچھ دوست و دریا قدرتے ہر مڑتے میں گویا

۱۵۴
بانگِ درا
۱۲۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
 آغوش میں غم کو لے کے سو جا

تنہائی

تنہائی شب میں ہے محزون کیا انجم نہ تیں سے نیم شیں کیا؟
 یہ فہستہ آسمانِ جاہل خوش خوابید زمینِ جاہل خوش
 یہ چاند، یہ دشت و دریا لہسا فطرت سے تم نہ مستن زار
 موتی خوش رنگ، پیارے پیارے یعنی تیرے آسواؤں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل!
 قدرت تری ہم نفس ہے اے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کار و درویش! میں نازبہوں، تو نیاز ہو جا
 میں غمِ زنوی سوماتِ دل کا ہوں، تو سراپا ایاز ہو جا

۱۵۵
 بانگِ درا
 ۱۳۹

نہیں ہے وابستہ زیرِ گردوں کمالِ شانِ سکندری سے
 تمام سماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمالِ پائے ہلالِ تیرا
 جہاں کا فرضِ قدیم ہے ثورِ ادا ہشالِ ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فوراً مل ہے اگرچہ سن میں تو اور دامنِ وراز ہو جا
 گئے وہ ایام اب زمانہ نہیں ہے سحرِ انورِ دیوں کا
 جہاں میں مانندِ شمع سوزاں میانِ محفلِ کداز ہو جا
 وجودِ انداد کا مجبازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت یہ یعنی آتشِ زینِ طلسمِ مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ سازِ قبائلِ آزری کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامنِ بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



۱۵۶

بانگِ درا

۱۲۰

فراق

تلاشِ گوشہٴ عزلت میں پھر رہا ہوں میں
 یہاں پہاڑ کے دامن میں آٹھپا ہوں میں
 شکستِ گیت میں شیموں کے دلبری ہے کمال
 وعلتِ طفلِ کفایتِ آزمائی مثال
 ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوِ خستِ شام
 بہشتِ دیدہٴ بینہ ہے حسنِ منظرِ شام
 سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
 یہ کیفیت ہے مری جانِ شکیبا کی
 مری مثال ہے طفلِ صغیرِ تنہا کی
 اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرد آغاز
 صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
 یونہی میں دل کو پیامِ شکیب دیتا ہوں شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

۱۵۷
 بانگِ درا
 ۱۲۱

عبدالقادری کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ حنا و پر
 بزم میں شعلہ نوا آتی ہے اُجلا کر دیں
 ایک نہریا دی ہے مانند سپند اپنی بٹا
 اسی ہنگامے محفلِ تنہ و بالا کر دیں
 ایل محفل کو کچھ سا دیں شریقلِ عشق
 سنگِ امروزی کو آئینہ نہ وں کر دیں
 جلوہ یوسفِ گم گشتہ دلہا کر ان کو
 تپشِ آماہ تر از خونِ زلیخا کر دیں
 اس پس کو سبقِ اکبرینِ نو کا دے کر
 قطرہ شبنم بے پایہ کو دریا کر دیں
 رختِ جاں بت کہہ چس سے اٹھا لیں اپنا
 سب کو محورِ رخِ سدا می و سنلیں کر دیں
 دیکھہ اشیرب میں ہو اناقتِ لیلیٰ بیکار
 قفس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
 بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ لدا
 جلدِ شیشہ ہو پیا نہ ہو سینا کر دیں
 گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب میں جو داغ
 چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کر دیں
 شمع کی طرح جیسے بزمِ عالم میں
 خوب دین دیدہ غیب کار کو بنیا کر دیں

”ہر چہ در دل گذر و وقفِ زبانِ اردو شمع

جوستن نیست خیالے کہ نہاں اردو شمع“

۱۵۸

باقی ہے در

۱۶۲

صفتیہ

(جزیرہ سسلی)

روئے اب دل لھول کر اے دیدِ خوننا بہا
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزا
تھایہاں منگامہ ان صحرائیںوں کا بھی
بحرِ بازی گاؤ تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے اشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پینام تھا جن کا ظہور
لکھائی عصر کُن کو جن کی تیغ جھسبو
مردِ عالم زندہ جن کی شویشِ کسم ہوا
آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

غلغلوں کے جس لذت گیر تک لوشے

کیا وہ تکبیر ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

آہ اے سسلی بسند کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب سے خال سے خسارِ دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلی بحرِ پیا کو رہے
پوشِ بک چشمِ مسافر پر تر اظنرِ مدام
موجِ رقصاں سے کسرا حل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حُسنِ عالم سوزِ جس کا آتشِ نظر تھا

نماکشِ شیراز کا بیلِ سوا بختِ داد پر داغِ رویا خون کے آنسو جب ان کا دہر
اسماں نے دُعا کیستے ناظرِ جبِ برباد کی ابنِ بدوں کے دلِ ناشائستہ کی یاد کی

غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تفتِ دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان تیرے حساس کی خموشی میں ہم اندازِ بیاں

دروا پنا مجھ سے کہہ نہیں بھی سہرا پاور ہوں جس کی تو منزلِ تھامیں اس کا دُاں کی کرو پو

زنگِ تصویرِ بھن میں بھر کے لٹکا دے مجھے قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپے مجھے

نہیں ترا شخفِ سوتے ہندوستانِ بے جاؤں کا

خود یہاں و تانہوں اُلوں کو وہاں رُلو اؤں کا



۱۶۰

بانگِ درا

۱۲۲

عزلیات

زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 گل تبسم کہہ ہا ہست زندگانی کو مگر شمع بولی بار یہ غم کے سوا کچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
 زائرانِ کعبہ سے قبل یہ پوچھے کوئی کیا صرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانی سلھاوے اسے سووائے بخنیہ کاری مجھے سر پر ہنسی ہے
 ملا محبت کا سو مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے مثالِ شمع مزار ہے تو تری کوئی انجمن نہیں ہے

۱۶۱
 بانگ درا
 ۱۲۵

یہاں کہاں ہم نفس مستیزدیں ناستہ ہے لے لے
وہ چیز تو ناگتہ ہے مجھے کئے زیرِ پرچ کُن نہیں ہے
نرالا ہے جہاں کے کھوئے معمار نے بنایا
بنا ہے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے
کہاں کا انا کہاں کا جانا فریب ہے امتیازِ عقیقی
نہ وہ شے میں ہے ہماری کہیں کا وطن نہیں ہے
مذہرِ مخزن سے کوئی اقبالِ عالم میرا پیام لہے
جو کا کچھ لکھی ہیں میں انھیں ابرق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گافتگو کا
مری خموشی نہیں ہے لویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے تائم ہے شانِ میری
گھر یہ بولا صد فاشینی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں بنتی
ہو انہ سرسبزہ کے پانی میں عکس سرِ کنارِ جو کا
کوئی دل ایسا نطفہ نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ حنہ ہے آرزو کا

۱۶۲

بانگِ درا

۱۲۶

کھسلا یہ مرکر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہو جس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غیب ارتھا کو بے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
ننگہ کو نظارے کی تناس ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گھسیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسا
ترمی نگاہوں میں تیرے بستم شمس تہ ہونا مرے سبو کا

ریاض ہستی کے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پہچان ہے رنگ و بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا ال دل دیا ہے وہ بھی فریبِ خوروہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نولِ نشتر سے تو جو چھیرے
یقین ہے مجھ کو لرے رُلِ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

۱۶۳
بانگِ درا
۱۶۴

کیا ہے قفسِ کازمانہ مج زخمتِ سفر اٹھاتے
 ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یار ہے کفّت کو کا
 جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
 مثال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی ابرو کا



چمکتی تیریں بجلی میں آتش میں شرار میں
 بلند سی آسمانوں میں زمینوں میں تیری پستی
 شریعت کیوں نمایاں گیسو و ذوقِ تکلم کی
 جو ہے بیدار انساں میں لہری غنیمتِ تمام
 مجھے ٹھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
 نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
 سکونِ ناشناس رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
 تڑپ کس دل کی یارِ چھپکے ابھی سے پارے میں

صدائے لہجہ کی سُن کے اقبال میں چپ رہا
 تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مکے میں

۱۶۲

بانگِ درا

۱۲۸



یوں تو اے بزمِ جہاں بولکش تھے منگھے تر
 ال ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی
 پالنی آسودگی کو تے محبت میں وہ خال
 مدّتوں آوارہ جہمت کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند
 پروہ انکور سے نکلی تو میناؤں میں تھی
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں کسے داناؤں میں تھی
 میں نے اے اقبال یہ میں اُسے صوبد
 بات جو ہندوستان کے ماہ سیاہوں میں تھی



مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی نہ ساز ادا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے عظیم تری
 شجرِ حبر بھی خدائے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڑھوٹے کی یہاں
 ستم کششِ پیشِ ناتم کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پاسبان کرتے ہیں
 غرض نشاطِ شغلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں
 بھلا نہ بھلی تری ہم سے کیونکر اے وعظا
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

۱۶۵
 بانگِ درا
 ۱۲۹

الہی سے پیر پرانِ حق پوش میں کیا کہ الٰہی سے جانوں کو رام کرتے ہیں
 میں اُن کی محفلِ عشرت کے کانپ جاتا ہوں جو لکھڑو بھونکا کے دنیا میں نام کرتے ہیں
 ہرے ہو وطنِ مازنی کے سیدانوا جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے نہیں سزا اقبال
 بھلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۷ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہوگا
 سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہان سحرِ ناز، ہر کوئی بانِ خوار ہوگا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آئیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا حشر زار ہوگا

۱۹۰۷

باقی رہا

۱۵۰

سنا دیا گوش منتظر کو جب زکی خاشی نے آخر
 جو عہدِ حسرتیوں سے باندھا لیا تھا، پھر اُستوار ہو گا
 نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اُٹا دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر پوشتیار ہو گا
 کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادِ خواروں کی انجمن میں
 تو پیرِ حینِ انجمن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
 دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زکیم عیار ہو گا
 تمہاری تہذیب اپنے پنجے سے آپہنچ گئی خوشی کے لی
 جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا
 سفینہٴ برکِ گل بنائے گا قافلہٴ مورتا توں کا
 ہزار موجوں کی چوٹ کشش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
 چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغِ اپن کھلی کھلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

جو ایک تھالے نگاہ تُو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی الکلیفیت تے سیری تو پھر کے استبار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے ازاد پایہ گل ہیں
 تو غنچے کھنکھنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں نبوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزم فنا ہے لے دل ابلت ہے جنبشِ نظر بھی
 رہے کل لیا آبرو پساری جو تُو یہاں بے قرار ہوگا
 میں خلعتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کارواں کو
 شرفشاں ہوگی آہِ سیری، نفسِ مریضِ شعلہ بار ہوگا
 نہیں ہے غمِ سیراز نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سدا گزار بھیجی استمِ ششِ منتظر ہوگا

۱۹۸

بانگِ درا

۱۵۲



جسوس

(۱۹۰۸ء سے)

۴

بند در بند
لا

(۴) سرزمین دلی ز مجبورین تم رفته است - درین در شمع کجوا رفته هزار بندگی
پاک در آواز گفتن و پند یکدیگر - خالق ملکیت و پند بر برادران
رنگ بر رخ کیم خرامند و تنجدار - نعلیم جام و بر کس ملکوت پر مدار
دل در ترنای دل بر رخ گشتی محنت
مدینه مدینه گزین خورشید باد

(۵) جز بارت نامم گویند از بهر (ای کرانت) اگر مقدار بر بندادگی
بیزیم مدینه و قیصری سنان ناز - لاله لاله آن بزرگ مقرب حجاز
نار بر رخ و در کیم در کیم - خنجر بکجا جانشینان پیر و خنجر
جنگل خنجر خنجر سنان و کلمه ناز و بی
و بنام خنجر و ان و خنجر و بی

(۶) سرزمین خنجر و خنجر و خنجر - خنجر و خنجر و خنجر و خنجر
بزرگ خنجر و خنجر و خنجر - اور و خنجر و خنجر و خنجر
دور و دور و خنجر و خنجر - خنجر و خنجر و خنجر و خنجر
خنجر و خنجر و خنجر و خنجر
خنجر و خنجر و خنجر و خنجر

۱۵

۱۴۰

بانگ درا

۱۵۲

بلا و اسلام

سُرمیں دلی کی مسجودِ دل غم دیدہ ہے دُرتے دُرتے میں لہوِ اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اُجڑے کُستار کی نہ ہو لہوِ لکڑیاں خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سُرمیں
سوئے ہیں اس خالِ خیرِ اسلام کے تاجدار نظمِ عالم کا راجہ جن کی حکومت پر مدار

دل کو ٹپاتی ہے اب تک لہوِ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

بے نیات کا ہر سگم کہ جہاں آبا بھی اس کُستار کا لہوِ حق و اسے پہنچا بھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز لالہ صحرارے کہتے ہیں تہذیبِ باز
خالِ اس سب کی ہو لہوِ لکڑیاں نہ ہمدوشِ رام جس نے دیکھے جاشیناں میں سب کے قدم

جس نے غنچے تھے چمنِ سامانِ وہ گلشن ہے یہی

کانپتا تھا جن سے کروماؤں کا دفن ہے یہی

۱۴۱
بانگِ درا
۱۵۵

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدہٴ سلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بُجھ کے بزمِ ملتِ ہند پریشاں کر لیتی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا منہ زراں کر لیتی

قبرِ اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے نالِ گلشنِ یورپ کی گل نم ناک ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قصیر کا دیا
مہدی اُمت کی سطوت کا نشانِ پائیدار
صوتِ حالِ رسمِ یہ سرزمین بھی پاک ہے
استانِ سندر کے شہرِ لولاک ہے
نکھتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
ثربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سداں ملتِ اسلام کا دل ہے شیر
سیڈروں صدیوں کی نشوونما حاصل ہے شیر

وہ زمیں ہے تو گراے اب گہِ مصطفیٰ
دید ہے لے لے تو تیری حجِ اکبر سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیہ
اپنی عظمت کی مِلاوت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں احستِ شاہِ منشاہِ عظمیٰ کو ملی
جس کے اہن میں امانِ قوامِ عالم کو ملی
نامِ لیوا جس کے شاہِ منشاہِ عالم کے ہوئے
جانشینِ قصیر کے وارثِ مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلامِ پابندِ مقام
پہنہ ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

۱۷۲
بانگِ درا
۵۶

اے شربِ دینِ مسلم کا تُو ماوا ہے تُو نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تُو

جب تک باقی ہے تُو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گھرِ شبنم بھی ہیں

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہِ سخت تجھ کو مالِ حسن کی کیا مل لیتی تجھ کو؟

مبارع نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو ہے کیا ہر اس فنا صورتِ شمر تجھ کو؟

زمین سے فُور یا آسمان نے گھر تجھ کو مثالِ ماہِ اڑھائی قبا سے رت تجھ کو

غصے پہ پھر تری تھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے کزرتی ہے

چمکنے والے مساندرِ عجب یہ بستی ہے جواج ایک کانپے دوسرے کی پستی ہے

اصل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر فنا کی پسند مے زندگی کی مستی ہے

وداعِ غمِ چہر میں ہے از آفرینِ شکرِ گل عدمِ عدم ہے کہ آئینہ و اُرسی ہے!

سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے ملنے میں

۱۵۲
مانا ہے در
۱۵۷

دوستارے

اے جو قراں میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے

یہ وصلِ مدام ہو تو کیا خوب انجامِ حنہ مدام ہو تو کیا خوب

تھوڑا سا جو سببِ فدا ہو

ہم دونوں کی ایک سی چمک ہو

لیکن یہ چھ سال کی تمست پیغامِ شوق تھی سراپا

گروشتِ ماروں کا ہے مستدر ہر ایک کی راہ ہے مقصد

ہے خوابِ شبِ اشنائی

آئینِ جہاں کا ہے جہاں

گورستانِ شاہی

آسمانِ بادل کا پنہ ختمِ دیرینہ ہے کچھ عطرِ حبابینِ ماہ کا آئینہ ہے

چاندنی بھگی ہے اس نظارہِ خاموش میں صبحِ صبا و سوہی ہے رات کی اغوش میں

۱۴۲

بانگِ درا

۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بربطِ قدت کی دھیمی سی نوا ہے خاشی

باطنِ مہرِ ذرہ عالم سرا پا درو ہے

اور حنا موٹی لبتی پہ پہاڑ ہے

آہِ جولاں کا عالمِ غیر یعنی وہ حصار روشن پر اپنے اٹھاتے سیکڑوں صدیوں کا بابا
زندگی سے تھا کبھی سوا بے نسیان ہے نیم موٹی اس کے ہنکا مون کا گورستان ہے

اپنے سُگانِ نمن کی خال کا دلدادہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ستاد ہے

ابر کے رُخسار سے ہالائے بامِ آسمان ناطقِ عالم ہے نجمِ بزمِ بزمِ آسمان
خالِ بازویِ وسعتِ دنیا کا منہ چٹا ہے دستانِ کامیابی کی ہے اڑ بڑا ہے
پے ازل سے یہ فرسوتے منزلِ جا رہا آسمان سے نفتِ لابون کا تماشا دیتا
گو سُن مکن نہیں عالمِ مریختہ کے لیے فتحِ خوانی کو ٹھیسرا ہے دم بھر کے لیے

زنگِ آبِ ندی سے گلِ بداسن ہے زمیں

سیکڑوں خوش شہتہ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خوابِ گے شاہوں کی ہے مینزلِ حسرتِ فزا دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ ظلموں کراوا

۱۷۵
باقی ہے در
۱۷۹

ہے تو کورستان مگر یہ خال لڑوؤں کا پیہ ہے
 اہ! الگ برشتہ قسمت قوم کا سٹریہ ہے
 مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
 جنبشِ مرثاں سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
 جو اثر سکتی نہیں اتنی تہ تحت میں

سوئے ہیں خاموشی آباویں کے گھنگھاموں کے دور
 مضطرب لکھتی تھی جن کو آرزوئے جمہور
 قبر کی ظلمت میں ہے اُن فہستابوں کی چمک
 جن کے دروازوں پر رہتا تھا جبیں ترغاب
 کیا یہی ہے اُن شہنشاہوں کی عظمت کا مال
 جن کی تدبیرِ جہاں مانی سے ڈرتا تھا زوال
 عربِ فغفور میں دنیا میں کشتِ ابنِ قیسری
 تل نہیں سکتی غنیم موت کی پوشش کبھی

بادشاہوں کی بھی لشتِ عمر کا حاصل ہے لو

جادوِ عظمت کی لویا آخری منزل ہے لو

شورشِ زہم بکریا غم و لیقت تیر کیا
 دروہنِ دانِ جہاں کا مالہ شبگیر کیا
 عرصہ پہنچا رہیں ہنگامہ شمشیر کیا
 خون لگ کر مانے والے فقر و بکیر کیا

اب کوئی آواز سوسوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ سوراں میں جانِ فرت آسکتی نہیں

۱۴۶

بانگِ درا

۱۶۰

روح ہشت خال میں حست کشیدہ ہے
کوچہ گروئے ہو اجس دم نفس سدا ہے
زندگی انسان کی ہے طانت مرغ خوشنوا
شاخ پر ٹھیک لونی دم چھپایا اڑ گیا
اے! لیا آئے ریاض و ہر میں ہم لیا لے
زندگی کی شاخ سے پھوٹے گلے، مچھالے

موت ہر شاہ و لدائے خواب کی تعبیر ہے

اس تم لہر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکسار پیدا کنار
اور اس دریائے بے پایاں کی جو بس میں نہا
اے ہوسن خون کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا ستم خیر آتش سوا
چاند جو صہوت گریہی کا ال اعجاز ہے
پہنے سیما بی قب محو نہ ام ناز ہے
چرخ بے نجم کی دہشت ناک وسعت میں مگر
بیکسی سس کی لونی دیکھنے راقصہ سحر

اے فراسا ابر کا ٹکڑا ہے جو ہست تاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں جو بس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے عتبار
زنگھاتے فترت کی تصویر ہے ان کی ہسار
اس زباں خانے میں کوئی ملت لڑوں و قار
رہ نہیں سکتی ابد تک بار و دوش روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خولر جہاں
دیکھتا ہے عتسائی سے ہے منظر حیران

۱۴۴
ماہنامہ درا
۱۶۱

ایک صہوت پر نہیں مہا کسی شے کو قرا
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے ملکینِ ہیر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِ یستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ لہر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل بٹکتے، باقی نشانِ تک بھی یہ
دفترِ ہستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

آدیا مہرِ ایرانِ کجِ اہل کی شام نے
عظمتِ یونانِ زوالوٹ لی ایام نے

آہِ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں سے آراؤاری اٹھا برسا گیا

ہے گلِ گلِ صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی نوجوان کی کرنِ چشم میں ہے الجھی ہوئی

سینہ سوراٹنے احوں کے لیے لہوا ہے
کس قدر پیارا لبِ جوہر کا لطف ہے

محوِ زینت سے صنوبرِ جو بہارِ آئینہ ہے
غنچہ گل کے لیے باو بہارِ آئینہ ہے

نعرہ زن رہی ہے کوئلِ باغ کے کاشانے میں
چشمِ انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اُور بیلِ مطبِ رنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خاصہ قدرت کی کیسی شوخ تحریر ہے

باغ میں خاموش جلسے گھستان لوگوں کے ہیں واوی لہار میں نعرے شبان لوگوں کے ہیں
 زندگی سے یہ پرانا خال اس سمور ہے موت میں بھی زندگانی کی تڑپ سمور ہے
 چٹیاں بھولوں کی لڑتی ہیں اس طرح دستِ طفلِ خُفت سے زنجیر کھلونے جس طرح

اس نشاط آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک نسیم یعنی غمِ ملت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یادِ عہدِ فرستے خالی نہیں اپنے شاہوں کی ریت بھولنے والی نہیں
 اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اُجڑے بامِ در لڑیہ پیسہ سے بیباک ہے ہمارا چشمِ در
 دہر کو دیتے ہیں موتی ویدہ لڑیاں کے ہم آخری بادل ہیں ال لڑے ہوئے طوفانِ ہم
 ہیں ابھی صندِ ہائے اس کی آغوش میں برق ابھی باقی ہے اس تحینہ خاموش میں
 واوی گل خالِ صحرا کو بنا سکتا ہے خواب کے تئیں دُہقان کو جگا سکتا ہے

ہو چکا کو قوم کی شانِ جدِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدِ جلالی کا ظہور



نمودِ صبح

ہو رہی ہے نیرِ امانِ اُشُق سے آشکا
 صبح یعنی خستہ روشیرِ لیل و نہا
 پاچکا فرصت درودِ فصلِ خبم سے سپر
 کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتابِ تیسرہ کا
 آسماں نے آمدِ خورشید کی پاؤں خبر
 محلِ پروازِ شب باندہا سرِ دوشِ غبار
 شعلہ خورشیدِ لویا حاصل اس کھیتی کا
 بوترے تھے سہاگنِ گروں کے جوتاؤں کے شرار
 ہے واں خبم سحرِ صیے عبادت خانے سے
 سب سے پیچھے جانے کوئی عابدِ شبِ زندہ
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آوار
 مطلعِ خورشید میں مضیے ہر یوں مضمونِ صبح
 جیسے خلوت گاہِ دنیا میں شرابِ خمیہ شکر
 ہے تیرِ دامنِ باوجودِ استلاطِ گیسرِ صبح
 شورشِ ناقوسِ آوازِ ازاں سے ہمکنار

جلے کوئل کی ازاں کے طائرِ انجمنِ سنج

ہے تو تم ریزتِ نونِ سحر کا تار



۱۸۰

بانگِ درا

۱۹۲۲

تضمین بر شعر انسی شاملو

ہمیشہ صوبت باو سحر آوارہ رہتا ہوں
 دل بیتاب جا پہنچا دیا رسیں خبر میں
 محبت میں کچ منزل سے بھی خوشتر جاوہ پیمانی
 میسر ہے جہاں دمان درو نہا شکیبائی
 ابھی نا اشنائے لب تھا حرفِ زو میرا
 یہ مقدس صدا آتی جسم کے پہنے والوں کو
 ترا قیس کیونکر ہو گیا سوز و رن ٹھنڈا
 نہ تحسّم لا الہ تیری زمین شور سے ٹھوٹا
 تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری ندی کیسے
 پہونی ہے تربیتِ آغوش بیت اللہ میں تیری
 دل شویڈ ہے لیکن سنم خانے کا سواہی

”وفا امّی خستی ازما بکار و گیراں خمی“

ربوومی کوہرے ازما نثار و گیراں خمی“



فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیرسٹرایٹ لارڈ لاہور کے نام)

گوسرا کیا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی
اشک بھی رکھتے ہیں میں سحابِ زندگی
موجِ غم پر رقص کرتا ہے جبابِ زندگی
ہے الم کا سُورہ بھی حُزبِ کتابِ زندگی

ایک بھی تپتی الرکم ہو تو وہ گل ہی نہیں
جو خزانِ نادر دیدہ ہو بیل وہ بیل ہی نہیں

ارتک کے خون سے نکلیں ہول کی رستاں
نعمتِ انسانیت کامل نہیں یہ رزقِ فغاں
دیدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سید ہے
روح کو سامانِ زینتِ آہ کا آئینہ ہے
حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرتِ کمال
خازنِ سہ تیرے دل کے لیے لڑو ملا
غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب ہے
سازِ بیدار ہوتا ہے اسی ضربِ آب ہے
طاہرِ دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے
راز ہے انسان کا دل غمِ انکشافِ راز ہے

غم نہیں غم، رُوح کا اک نعمتِ خاموش ہے
جو سُرورِ بے ہستی سے ہمِ غمِ خوش ہے

۱۸۲
بانگِ درا
۱۶۶

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
جلوہ پیر جس کی شب میں شگے کو لب نہیں
جس کا جام دل شکستیم سے ہے آشنا
جسد امست شربشیں عشرت ہی ما
ہاتھ جس پس کا ہے محفوظ نول خار سے
عشق جس کا ہے خبر سے کسے آزار سے
گھٹتیم اگرچہ اس کو روز شب سے دوسے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سوسے

اے لطفِ ہم سر کا اور اے حاصل تجھے

کیون آسان ہو غم اندوہ کی منزل تجھے

ہے ابد کے نسخہ ویرینہ کی تہیہ عشق
عقل انسانی ہے فانی زندہ حب و عیش عشق
عشق کے خورشید شام اہل شرب سے
عشق ہو زندگی ہے تہا ابد پائند ہے
رخصت محسوس کا مقصد ہوتا اگر
جوشِ الفت بھی اے عاشق سے کر جاتا سفر
عشق کو محسوس کرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

ہے بھائے عشق سے پیدا محبوب کی

زندگانی ہے ہم آشنائے محبوب کی

آتی نیتِ حبیبین کو فے گاتی ہوئی
اسماں کے طایروں کو نغمہ سکھاتی ہوئی
آئے روشن اس کا صوتِ رخسار جو
گرے ادوی کی چٹائی پر چھو جاتا ہے چو

نہر جو تھی اس کے گہر پیسے پہن گئے
یعنی اس اُفتاد سے پانی کے تارے بن گئے
جسے سیلاب اُن بھٹ کر پشیمان ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
ہجرانِ قطروں کو بسینِ وصل کی تعلیم ہے
بقیمِ پھر پھر ہی جو شل تارِ سیم ہے
ایک صہیت میں ہے سروانِ زندگی
اگر کے رقص سے سچویم نوعِ انساں بن گئی

پستی عالم میں ملنے کو جداسوتے ہیں ہم

عارضی فُرت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں کہیں فنا سوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جداسوتے نہیں
عقلِ بسِ دم و ہر کی آفات میں محصور ہو
یا جوانی کی اندھیری رات میں ستور ہو
دہنِ دل بن گیا ہو زخمِ کاغذِ شہر
راہ کی ظلمت سے ہو شکل سوئے سنل سفر
خضرِ ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشگیر
فکرِ عجب جز ہو اور خاموشی اور ضمیر
واوہی ہستی میں کوئی ہم نہ تک بھی ہو
جاوہِ کھلائے کو جلتے کاشِ رتک بھی ہو

مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں

جس طرح تارے چمکتے ہیں صیرمی رات میں



پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ ستِ نازِ گلشن میں جا سکتی ہے کُلی کُلی کی زباں سے دُعا نکلتی ہے

”الہی پُھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کُلی سے رشکِ گلِ آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں اُڑنے نصیب تھے ترپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تھے

اُٹھاکے صدرِ وقتِ رُصال تک پہنچا ترمیجِ سات کا جو ہر کال تک پہنچا

مراکنول کہ تصدق میں حیرتِ اہل نظر مے شہاب کے گلشن کو ناز ہے جس پر

کبھی یہ پُھول ہم آغوشِ شوقِ عابد ہوا کسی کے دامنِ رنگیں سے آشنا نہ ہوا

شگفتہ لڑنے سے لے لی کبھی ہر آسے

فسرہ دکھتے گلچیں کا منتظر آسے



۱۸۵
دانا سے دانا
۱۶۹

ترانہ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
 تو حید کی مانند سینوں میں ہے ہمارے
 دنیا کے بُت لڑوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
 تیغوں کے گلتے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
 مغرب کی ادویوں میں گونجی ازاں ہماری
 باطل سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم
 اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں تجھ کو
 اے موجِ جبل! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
 اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کھٹکے ہم
 سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
 مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا
 آسمان نہیں سٹانا نام و نشان ہمارا
 ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
 خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
 تھمتانہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
 سو بار کر چکا ہے ٹوٹنا آسمان ہمارا
 تھا تیری ڈالیوں پر جب اشیاء ہمارا
 اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
 ہے خوں سے لکھیں لوں میں اب تک واں ہمارا
 اس نام سے ہے باقی آراجم باں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جہادِ پیمائشِ کلرواں ہمارا

۱۸۶

بانگ درا

۱۶۰

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوّر کے)

اس دور میں کے اور نئے عالم اور ہے جسم اور
ساقی نے بنالی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی میسر کیا اپنا جسم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے جسم اور

ان بازو ہندوؤں میں ٹھاسے وطن ہے

جو پیر میں اس کا ہے ہندو مذہب کا نفس ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب فی ہے غارت لڑکا شادین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا ویسے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھائے

اصطفا فوی خال میں اس بت کو ملا دے

ہو قیدِ امت می تو نتیجہ ہے تباہی
رہ جسم میں آزاد وطن صورتِ مہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ لہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گنہگار سیاست میں وطن اور پی کھچے
ارشاد نبوت میں وطن اور پی کھچے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کنزور کا لہر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بنتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ لگتی ہے اس سے

ایک سیاحی مینے کہہ کر اسے میں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیاباں یعنی بھر خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میرے شکار و شہنشاہ رہن ہوئے
بچ گئے جو کہ بے دل سوئے بیت اللہ پھر
اُس بخاری نوجوان نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہر اب میں پاتی ہے اُس نے زندگی
خجھر رہن اُسے گویا ہلال عید تھا
ہاتے شرب و دل میں لب پر نعرہ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باکا نہ چل
بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا
عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا

۱۸۸

بانگ درا

۱۴۲

خوفِ جان کھتا نہیں کچھ دشتِ پیائے حجاز
 ہجرتِ مدفونِ شرب میں یہی مخفی ہے از
 گوسلاست محلِ شامی کی ہمراہی میں ہے
 عشق کی لذتِ مگر خطروں کی جان کا ہی میں ہے
 اہ! یہ عمتِ زیاں انہیں کیا چالا ہے
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطرہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر روروں کے لہر رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بناتے ملت بٹا رہے ہیں
 یہ زائرانِ حرمِ مغرب ہزار درہا بے بنیں ہمارے
 ہمیں بھلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے نسا سنا رہے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خدا تری قوم کو بچائے
 بگاڑ کر تیرے مسدوں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
 نئے کا قبّہ کون ان کو یہ نجس ہی بدل لئی ہے
 نئے زمانے میں آپؐ کو پُرانی باتیں سنا رہے ہیں

۱۸۹
 بانگِ درا
 ۱۴۲

شکوہ

کیوں یاں کاربنوں سُود فراموش ہوں فکر نہ کرنا کروں محو غم و خوشی ہوں

مارے بیل کے سنوں اور پتہ تن گوش ہوں ہم نوائیں بھی گئی گل ہوں خاموش ہوں

جُراتِ آمو زمری تپ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خاتم بدہن ہے مجھ کو

ہے سب شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصہ درو سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

سازِ خاموش ہیں فریاد سے سسور ہیں ہم نالہ آتا ہے ارباب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا بشکوہ اربابِ وفا بھی سن لے

خُراجم سے تھوڑا سا کٹا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تھی اسے قدیم

شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عظیم

مُحول تھا زبیر چہ نہ پریشان تھی شمیم

بُوئے گل بھیتی کس طرح جو ہوتی نہ شمیم

140
بانگ درا
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امتِ تیرے محبت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیب سے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں مسجود شجر
خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
مانت سا پھر کوئی اُن دیکھے حنہ لولویندر

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازو کے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے ہمیں سلجوق بھی تورانی بھی
ایل چپیں چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی سوئے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی نیامیں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھاتی کس نے
بات جو بڑی ہوئی تھی وہ بناتی کس نے

تھے ہمیں ایکے سے کراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افیتہ کے پتے چمے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جیتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سرخ پھرتے تھے کیا دہریوں کی لٹ کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجھے کس شمشیر کوئی تو بٹ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم تو پے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خیمہ بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہو گے کہ اٹھاڑا اور خیر کس نے
شہرِ قصیر کا جو تھا اُس کو کیا سر کس نے
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے نقار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشِ کدہِ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہِ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی

کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی
کس کی تجھ سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے ریتے تھے
منہ کے بل لڑکے ہو اللہ اُحد کہتے تھے

اُگیا عین لڑائی میں اگر وقت نسا ز قبلہ ہو گئے میں بوس تہائی قوم حجاز
ایک ہی صف میں لکڑے ہو گئے محمود ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سکر میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

محفل کون و مکاں میں سحر شام بھی مے توحید کو لے کر صفت جام پھر
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام بھی اور سلوم سے تجھ کو کبھی ناکام پھر!

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے

بحرِ طلمات میں ڈرا دیے لھوٹے ہم نے

صفحہ دہر سے ہاسل کو بٹایا ہم نے نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بٹایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لٹایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ طعنے کہ وفادار نہیں

ہم وفادار نہیں تو بھی تو ولدِ انہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں گناہ بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں کامل بھی ہیں غافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تم سے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں مئی غیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

مست صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ سب کے نگہبان گئے
منزل پر سے اونٹوں کے حُدی خوان گئے
اپنی بعلوں میں دباے سوئے آن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توبہ کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے مسمور
نہیں محسن میں جنہیں بات بھی کرنے کا شوق
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں جو رقصو
اوجھلے مسلمان کو فقط وعدہ حو

اب وہ الطاف نہیں سمجھ رہے عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سیرات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا بیا ب
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ حد ہے حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہو دشت ہو سیلی زوہ موج سراب

۱۹۲

بانگ درا

۱۷۸

طعنِ انخیار ہے رسوائی ہے ناوار ہے

کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خوار ہے؟

بنی غیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ لئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اُلوں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحیدِ حق کی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں انا م ہے

کس میں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے

تیری محفل بھی لہتی چاہنے والے بھی لہتے شبِ الی ہیں بھی لہتیں صبح کے نالے بھی لہتے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی لہتے اکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی لہتے

اے عشاق، گئے وعدہ مند لے کر

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبائے کر

درِ سیلی بھی وہی قہر کا پہلو بھی وہی نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی وہی

عشق کا دل بھی وہی حسنِ جادو بھی وہی اُنت احمد مرسل بھی وہی، تو بھی وہی

پھر یہ از روئی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشمِ غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت لکری پیشہ کیا، بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشتی سے سری چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اگل تجیر کی سینوں میں بی کھتے ہیں
زندگی مثلِ بلال حبشی کرکھتے ہیں

عشق کی خیر و ہر پسلی سی او ابھی نہ سی جاوہرِ پیائی تسلیم و رضا ابھی نہ سی
مضطربِ دل صفتِ قبلہ نہ ابھی نہ سی اور پابندِ آئینِ وفا ابھی نہ سی

کبھی ہم کئے کبھی غیروں سے شگفتاں ہے
بات کرنے کی نہیں تُو بھی تو ہر جاتی ہے

سرفراز یہ کیا دین کو کامل تو نے اک لشکرِ میناروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی لکڑی خسار سے حاصل تو نے

آج کیوں سینے پہلے شہر آباد نہیں
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واہیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیسِ دیوانہ نظارہٴ محفل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ چبڑا ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا

۱۹۶

بانٹے رہا

۱۸۰

اے خوش آن روزگاری بوسہ ناز آئی

بے حجابانہ سوتے محفلِ ناز آئی

بادہ شش غیر پیش میں لبِ جُلیٹھے سُنتے ہیں حجابِ کفِ نعلین کو جُلیٹھے

دور ہنگامہ گلزار سے یکسو جُلیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ٹھوٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خودِ افروزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عشاں تاجِ پھر سوتے حجاز لے اڑا بس بے پروا کو مذاقِ پرواز

مضطربِ باغ کے سرِ غنچے میں پتے نیا تو ذرا چھیر تو تے تشنہ مضرابِ ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طوِ مضطر ہے اُسی آل میں جلنے کے لیے

مشکدیں اُمتِ مرغِ خم کی آساں کر دے موبے باریہ کو ہمدوشِ سیماں کر دے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ازراں کر دے ہند کے دیشینوں کو مسلمان کر دے

جوتے خوں می چکد از حسرتِ دیرینہ ما

می تپد مالہ نہ بشتِ کدہ سینہ ما

نوتے گل لے گئی برجن پس از چمن کیا قیاس ہے کہ خود مچھول ہیں غماز چمن!
 عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن اڑ گئے ڈالیوں سے زمرہ پڑا ز چمن

ایک سبل ہے کہ ہے مجھ ترغم ایک
 اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطم ایک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں پتیاں مچھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی نہیں
 وہ پرائی روئیں باغ کی ویراں بھی نہیں ڈالیاں سپرین برگ کے عماراں بھی نہیں

قدیم موسم سے طبیعت ہی آزاد اس کی
 کاش گلشن میں سمجھت کوئی فرما د اس کی

نطف مرنے میں سے باقی نہ مزا بیٹھنے میں کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پیٹنے میں
 کتنے بے تاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
 داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے ہی نہیں

چاک اس سبیل تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ دُرائے دل ہوں
 یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی باوہِ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمنی سے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی سے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

چاند

اے چاند جس نے فطرت کی آبرو ہے طوفِ حیرم خالی تیرے قلمِ خم ہے
یہ داغ سا تجو کی گیسے میں سے نمایاں عاشق ہے تو کسی کا یہ داغِ آرزو ہے؟
میں مضطربِ زمین پر، بیتابِ ثفلک پر شجہ کو بھی بستجو ہے مجھ کو بھی بستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی مچل رہی ہے تیری؟

جس کی طرف ان چمن منزل رہی ہے تیری؟

تُو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خاشی میں پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں

استادہ ہنرمیں ہے ہنرے میں سوراہا ہے بے بل میں نغمہ زن ہے خواہش ہے کھلی میں

آب میں تجھے دکھاؤں سُخارِ روشن اس کا نہروں کے آئنے میں شبنم کی آرسی میں

صحرا و دشتِ درمیں کُھسار میں رہی ہے

انساں کے دل میں تیرے سُخار میں رہی ہے

۱۹۹

بانگ درا

۱۸۳

رات اور شاعر

(۱)
رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تُو پریشاں
خاموشی کی آواز میں گُلِ مانندِ نوبِ پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شایہ ہے جو میری تُو
پھل ہے کوئی میرے دے ریتے نور کی تُو
یا تُو مری جس کا تارا لرا ہوا ہے
رفت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا گیا ہے
خاموشی ہو گیا ہے رُبا بستی
ہے میرے آئنے میں تصویرِ خوابِ بستی
دریا کی تہ میں چشمِ لڑا بستی ہے
حل سے کاس کے موج بیتاب ہو گئی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہنگامِ آفریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آبادی نہیں ہے
شعرا کا دل ہے لیکن نا آشنا سُنو سے
ازاد رہ گیا تو کیونکر مرے فسون سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی لچھتی میں سب بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں کے مانند سوتا ہوں

بانٹے در
۱۸۲

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو پہاں ہے سناؤں کس کو
 عزتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
 تپشِ شوق کا نثار دیکھنا کس کو
 برقِ امین کے سینے پہ پڑی روتی ہے
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لہساں روتی ہے
 صفتِ شمع لحدِ مُردہ ہے محفلِ میری
 آہائے ات بڑی فُور ہے نزلِ میری
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت سے گھبراتا ہوں
 تیرے تائبندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

نغمہ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ سہیا کو
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفت سے لے کر لائے کے پھول مارے
 قُدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اُتارے
 چمکے عروسِ شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 کھلے ہیں حنا مٹی کے لیلانِ ظلمتِ آبی
 وہ دُور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے
 کہتا ہے جن فُور اس اپنی زباں میں تارے

مخوفانہ مژبی تھی اس بن فلک کی
عرشہ بریں سے آئی اوزال ملک کی

اے شب کے پاسانو! اے آسمان کے تارو!
تائبہ قوم ساری کڑوں شیں تمھاری
چھیڑو سر و ایسا خال اٹھیں سونے والے
رہبر بے قافلوں کی تاجبیں تمھاری
ایتنے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں
شاید صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے
وسعت تھی آسمان کی مہر اس نواسے

حسنِ ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں
جس طرح عکسِ گل پہ شبنم کی آرسی میں
امینِ نو سے ڈرنا طس سبز کُنس پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں
یہ کاروانِ ہستی ہے تپتے زنگام ایسا
قومیں لچل لتی ہیں بس کی واوری میں
انکھوں سے ہیں جاری غائب ہزاروں اہم
داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برداری میں
اک عسمرین نہ سمجھے اس کو زمین والے
جوبات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نطفِ ام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

۲۰۲

بانگِ درا

۱۸۶

سیرِ فلک

تھا نخیل جو ہم سہ میرا اسماں پر چو گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جاننے والا پسرخ پر میرا
تارے حیرت دیکھتے تھے مجھے رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتمِ آرزو تے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ نے پسندِ ریزِ طیو بے حجبِ بانہ عورِ جلوہ فروش
ساقیانِ بیلِ جامِ بدست چمنے والوں میں شورِ نوشا نوش
دو جنت کے سنگھ نے بھیج ایک تارِ یک خانہ ہر دو سنوش
طالعِ قیس کیوئے بیلِ اُس کی تارِ کیوں کے پوشِ بدوش
خُنگِ ایسا کہ جس شکر کردہ زمہ سر پر پور و پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سروش

۲۰۳

بانگِ درا

۱۸۷

یہ تمام خاکِ بزمِ ہے مارے نور سے تھی آغوش
شعلے جوتے ہیں ستار اس کے جن سے لڑاں ہیں مری عورت کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

نصیحت

میں نے اقبال سے ذرا نصیحت کیا
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل
جھوٹ بھی مصلحتِ امیرِ نر ترا ہوتا ہے
ختمِ تیر تری مدحِ سیکار یہ ہے
درِ حکام بھی ہے تجھ کو مستِ دمِ محمود
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپ سکتا ہے
نظرِ اجالتِ مسجد میں بھی عید کے دن
دستِ پر در ترے ملک کے اخبار بھی ہیں
حاملِ روزہ ہے تو اور نہ پاسبانِ زمانہ
دلِ ہند کی ہوئے لب پہ ترے لہجہ
تیر اندازِ تسنن بھی سراپا اعجاز
فکرِ روشن ہے ترا موجبِ آئینِ نیا
پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ ایا
پردہِ خدمتِ دین میں ہوئے حاکمِ ہار
اثرِ وعظ سے جوتی ہے طبیعت بھی دل
چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سانہ

۲۰۲۲

بانگِ درا

۱۸۸

اس پر طرہ ہے کہ ٹو شمر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینے سخن میں ہے شراب شیر
جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں سبھی
تجھ کو لازم ہے کہ سو اٹھ کے شریک تک و تان
غمِ سیاه نہیں اور پر بال بھی ہیں
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پر اُ

”حاقبت منزلِ ماوادی خاموشانِ است
حالیٰ غمِ نہ در گنبدِ اسدال اندا“

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند
سب سنی ہوئے مغرب کے رامِ ہند
یہ ہند یوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے جامِ ہند
اس دس میں جوتے ہیں ناراں ملکِ شرت
مشہور جن کے فم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
ہے ام کے جو وہ پند و ستان کو نماز
ایلِ نطنہ سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
اعجازِ انس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرو تھا
پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرو تھا

۲۰۵
ماہِ رے
۱۸۹

موٹر

کیسی پتے کی بات جھگڑنے کل کہی
 موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
 ہنگامہ آفسرین نہیں اس کا خرام نہ
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے چاشنک تیشو فرماو سے جس
 مینا دام شوش قلمش سے پائیل
 نکمت کا کارواں ہے شال صبا خموش
 شاعر کے فکر کو پروازت مشی
 لیکن مزاج جام حرام آشنا خموش
 سٹریہ وار گرمی آواز حاشی

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ مازیبا
 محروم عمل زکس مجبور تماشا ہے
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 فطرت ہی سنوبر کی محروم تماشا ہے
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے
 اس فتنے کو رہتی ہے سعت کی ہونٹوں میں
 یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سمیت چمنستان کی

یہ پستی و انا ہے پسینا ہے تو انا ہے

۲۰۶
 بانگ سے درا
 ۱۹۰

خطبے جوانانِ اسلام

کبھی نے جوانِ مسلم بتدبیر بھی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے اغوشِ محبت میں
 تمدنِ انسرین حلقِ آہنِ جہاں داری
 سمانِ شرفِ فخری کا رہا شانِ امارت میں
 کدانی میں بھی اللہ والے تھے غور اتنے
 غرض میں کیا کہوں تجھے کہ صحرائیں کھاتے
 اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں لکھ دوں
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت نہ ہو سکتی
 گنوا دہی پسے جو سلاطین کی ریش پائی تھی
 حکومت کا تو کیا رنما کہ ال عارضی ہے تھی
 مگر وہ علم کے موتی کست ہیں ابابا کی
 ”غنیٰ روزیہ کنعیاں اتھا ساکن
 وہ کیا کروں تھا تو جس کا ہے ال ٹوٹا ہوا تارا
 کچل ڈالا تھا جس کے پاؤں میں تاجِ سلا
 وہ صحرائے عرب یعنی شترمانوں کا گھوڑا
 ”بات نہ نکال خالِ خطِ حاجت نے سبارا“
 کہ نسیم کو لدا کے ڈرنے شش کا نہ تھا یاد
 جہاں جہاں وہاں جہاں بن جہاں آرا
 مگر تیرے تخیل سے تو ہے وہ نظارا
 کہ تو کلفتِ روہ لڑا تو ثابت وہ سبارا
 ثریا سے میں بچ آسمان نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم سے کوئی چارا
 جو یسیرانِ یوسف میں تو دل سوتا ہے سیارا
 کہ نورِ یدِ اشرافِ شن کنہ چشمِ زلیخارا“

غزوة شوال

یا

ملا ل عید

غزوة شوال اے نور نگاہ روزہ دار
تیری پیشانی پہ تحریرِ عید ہے
اکہ تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تہیہ ہے
اے مہ نو بہم کو تجھ سے اُلفتِ دیرینہ ہے
سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
جس علم کے سائے میں تیغ آزماتے تھے ہم
تیری قسمت میں ہم غوشی اُسی ایت کی ہے
حسنِ روز افزوں سے تیرے آبر و ملت کی ہے
اشنا پر ہے قوم اپنی وفا آئیں ترا
ہے محبتِ خمیزہ پیرِ بہمن سیمیں ترا

اوج لکڑوں سے فرا دنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

۲۰۸

بانگِ درا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
 دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے لہر
 فوق آرائی کی زنجیریں میں ہیں مسلم اسیر
 دیکھ مسجد میں شکستِ رشید تسبیح شیخ
 کافروں کی مسلم آئینہ کا بھی طرہ کر
 بارشِ سناج اوش کا تماشائی بھی ہو
 ہاں تملق پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آشنائے لطفِ تکلم سے کیا
 سارے عشرت کی صدمہ مغرب کے یوانوں میں
 چاک لڑی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
 رپر در ماندہ کی منزل سے سیزاری بھی دیکھ
 اے تھی ساغرِ ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی رفتاری بھی دیکھ
 بُت کے مین بہمن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی مسلم ازاری بھی دیکھ
 اُسے مرحوم کی آئینہ یواری بھی دیکھ
 اور جو بے ابرو تھے ان کی خوداری بھی دیکھ
 اُس حریف بے زباں کی گرم رفتاری بھی دیکھ
 اور ایران میں فراہم کی تھی ساری بھی دیکھ
 ساوکی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صوبہ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
 شورشِ امروز میں مجھ سرود ووش رہ



شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دو شمس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
کیسے تو از پر پروانہ وارو شانہ ا
درجہاں مثل چراغ لالہ صحرایم
نے نصیب محفل نے قسمت کاشانہ ا
ماتے ہنسند تو من ہم نفس می سوختم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ ا
می تپد صد جلوہ در جان امل و سر و من
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ ا

۲۱۰

بانگ درا

۱۹۱۲

از کُجبا این آتشِ عالمِ منورِ اندوختی
کہ کلبِ بے مایہ را سوزِ کلیمِ خوشی

شع

مجھ کو جو موجِ نفسِ دیتی ہے پیغامِ اجل
لبِ اسی موجِ نفس سے ہے نو آپسِ اترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحلِ فطرت میں سوز
تو منورِ ازاں ہے کہ پروانوں کو چوسا ترا
کہ یہ سماں میں کہیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبِ نیمِ افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھٹا نہیں
شعلہ ہے پشیل چراغِ لالہ صحرَا ترا

۲۱۱
بانگِ درا
۱۹۵

سوچ تو دل میں، لعقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ نلت اور ہے
 زشتِ رُوتی سے ترمی اتنی نہ ہے رسوا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے اور سو اتنی بُت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں ترمی محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرِ اتر، محل ہے بے لیدا ترا
 اے درِ تابندہ! اے پروردہٗ آغوشِ موج!
 لذتِ طوفاں سے ہے ناشنا دریا ترا
 اب نو اپیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترقم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تُو وعدہٗ دیدِ ابرام آیا تو کیا

۲۱۲

بانگِ درا

۱۹۶

انجمن سے وہ پُرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
 ساقیاء محفل میں تُو آتش بجام آیا تو کیا
 آہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو بادِ باری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شبِ دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی الر بلالے بام آیا تو کیا
 مجھ کیس وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا
 اب کوئی سودائی سوزِ مسام آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس ہے آوارِ درا ہو یا نہ ہو
 شمع محفل ہو کے توجب سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہ اُلفت میں جب ان کو پرست تھا تو
 پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

۲۱۳

بانگِ درا

۱۹۷

شوق بے پروا کی، فکرِ فلکِ پیما کی
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ نراناں رہے
 وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ شعریٰ پرانے رہے
 خیر، تو ساقی سی لیکن پلائے گا کسے
 اب نہ وہ کس شے ہے باقی نہ مہمانے ہے
 رورہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اُسے
 کل تک گردشِ میں بس ساقی کے پیمانے رہے
 آج ہیں خاموش وہ شہتِ جنوں پوچھناں
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے رہے
 وائے ناکامی! مستی کا رواج جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے بھی
 شہرِ ان کے مٹ گئے آبادیاں بن چکی ہیں

۲۱۴

بانگِ درا

۱۹۸

سطوتِ توحید قائم جن مسازوں سے ہوتی
 وہ مسازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون کہتیں
 خود تجلی کو مستِ جان کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُسیدِ نورِ امین ہو گئیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین ہو گئیں
 وسعتِ لڑوؤں میں تھی ان کی تڑپِ نظارہ سوز
 بجلیاں آسودہ دامنِ حنہ بن گئیں
 دیدہٴ خوبار ہو منت کش گلزار کیوں
 اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

۲۱۵

بانگِ درا

۱۴۹

مژدہ لے پیانہ بردارِ خمستانِ حجاز
 بعدِ مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نعتِ خود داری بہلے باوۃ غبار تھی
 پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما یں بند
 پھر سلیمی کی نطسردیتی ہے پیغامِ خسروش
 پھر یہ دعوت ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز
 دل کے منگامے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نغمہ پیرا ہو کہ یہ منگامے موتی نہیں
 ہے بحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 و عنیم دیکر بسوز و دلیراں را ہم بسوز
 نفست روشن حدیثے کرتوانی وار گوش
 کہہ گئے ہیں شاعریِ جزویست از پیغمبری
 ہاں سناؤ محفلِ ملت کو پینامِ سروش

۲۱۶

باقی ہے در

۲۰۰

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا
بحرِ محبت صحرا میں تو، گلشن میں مثلِ جوہر ہوا

اپنی اصلیت یہ تلم تھا تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بُو ہوا
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے سرارِ حیات

یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آئینہ ہوا
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل بے گمانہ پہلو ہوا

ابرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

فردِ تلم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

۲۱۷
ماہِ رے در
۲۰۱

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
 خمیہ زن ہو وادیِ سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتیق کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حسِ خاکِ ستر پروانہ کر
 تو اگر خود وار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
 عین دریا میں حساب آسانگوں پیمانہ کر
 کیفیت باقی پُرانے کوہ و صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتد کرنے ملا یا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندہ کر
 ہاں، اسی شلخ لہن پر پھر بنائے اَشیاں
 اہل کُشتن کو شہیدِ نغمہ ستانہ کر

۲۱۸
 بانگِ درا
 ۲۰۲

اس چمن میں سپر و بلسل ہو یا تمسکِ نخل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نواپیدانہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تُو
 لبِ کُشا ہو جا، سرودِ بریطِ عالم ہے تُو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہولے دھتاس ذرا
 دانہ تو لھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تُو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تُو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے لیا
 ناختہ اتو، بحر تو، بشتی بھی تو، ساحل بھی تُو
 دیکھ اگر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی
 قیس تو، لیلی بھی تو، صحرا بھی تو، محفل بھی تُو
 وائے نادانی کہ تُو محنتِ ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تُو

۲۱۹
 یادگارِ راز
 ۲۰۲

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا شاکِ غیر اللہ کو
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عارتِ کرباں بھی تُو
 بے خبر! تُو جو ہر آئینہِ ایام سے
 تُو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تُو
 قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
 کیوں رفتِ طلسمِ ہیچ محنت داری ہے تُو
 دیکھ تُو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ ہے تیرا میں اس کے پیامِ ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے یہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفسد
 تُو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب ملکِ شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
 اے تعافلِ پیشہ! تجھ کو یاد وہ پیمیاں بھی ہے؟

۲۲۰

بانگِ درا

۲۰۲

تُو ہیِ ناداں چنڊِ کلیوں پر قناعت کر لیا
 ورنہ کاشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے
 دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفسیر میں
 رکوتِ دنیا میں مے مستور بھی، عُریاں بھی ہے
 پھونک ڈالا ہے مری آتشِ نوائی نے مجھے
 اور میری زندگی کافی کا یہی سماں بھی ہے
 راز اس آتشِ نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
 جلوہٴ تفتِ میرے دل کے اسینے میں دیکھ!
 آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمات کی سیماں پا ہو جائے گی
 اس قدر ہو گی ترنمِ آسریں با و ہزار
 نہمتِ خوابِ سیدہٴ غنچے کی نوا ہو جائے گی
 آملیں گے سینہ چاکاں چمن سے سینہ چاک
 بزمِ گل کی ہم نفس با و صبا ہو جائے گی

۲۲۱
 مانگے در
 ۲۰۵

شبِ بنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درو آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیرِ پیر ہو جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا سینا مِ سجود
 پھر بےیں خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صبا سے ہوں گے نوا سا مالِ سیور
 خونِ چیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیل سے کیا ہو جائے گی
 شبِ کریمیاں ہوں لی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معسور ہو گا نغمۂ توحید سے



۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۶

مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے سیدہ سوزاں ترا منیرا دے ستو ہے
 نغمہ تہمت تیری بربطِ دل میں نہیں ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
 گوش آوازِ سر و ذریت کا جو یا ترا اور دل پسندہ حاضری بے پروا ترا
 قصہ گل ہم نوایاں پس سنتے نہیں اہل محفل تیرا سینہ کم اُسن سنتے نہیں
 اے درائے کاروانِ جنت پا با خاموشی ہ ہے بہت یاں تیری صدا خاموشی ہ

زندہ پھر وہ محفلِ برینہ ہو سکتی نہیں
 شمعِ روشن شبِ شینہ ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں اس صداقت پر ازل سے پڑا دل ہوں میں
 نبضِ حیات میں پیہرِ احارت اس کے ہے اور سلم کے تختِ جہات اس کے ہے
 حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
 دہرِ غارت کر بل پرستی میں ہوا حق تو یہ ہے عافیتِ ناموس پرستی میں ہوا

۲۲۲
 بانگِ درا
 ۲۰۴

میری ہستی پیر غنچِ یارنی عالم کی ہے
 قسمتِ عالم کا سلم کو لبِ تابندہ ہے
 اشکارا ہیں میری آنکھوں پر اسرارِ حیات
 کتبِ اسکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے
 میرے سرِ جانے سے سوائی بنی آدم کی ہے
 جس کی تابانی سے افسونِ بحرِ شرمندہ ہے
 کہ نہ نہیں کہتے مجھے نومید پرکارِ حیات
 ہے بھر سا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
 فتحِ کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار
 اہلِ محفل سے پرانی استاں کہتا ہوں میں
 میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
 یا و عہدِ فرستہ میری خال کو اسیر ہے

سائے لکھتا ہوں اس دو نشاطِ افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دُش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ اہل بیت علیہم السلام میں

گراں جو مجھ پر پہنکا مہِ زمانہ ہوا
 قیو وِ شام و سحر میں برتو لی بسین
 جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
 لطفِ کم کہتے عالم سے آشنا نہ ہوا

۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۸

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضورِ آیتِ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے علیؑ بیابنِ حجاز! کل کل ہے تری کرمی نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوشِ عالمِ ولایتِ تیرا

اڑا جو پستی دنیا سے تو سوتے لڑوں

نکل کے باغِ جہاں سے گنبدِ نبویؐ آیا

ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

”حضورِ ادھر ہیں اسود کی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یا ضررِ ہستی میں

گھر میں نہ رکھو الٰہِ تجھ سے لایا ہوں

جھلکتی ہے تم ہی امت کی آبرو اس میں

طرابکس شہیدوں کا ہے لہو اس میں“



۲۲۵

ہائے دریا

۲۰۹

شفا خانہ حجاز

اک پیشوائے قوم نے قہسِ سال کے کھانے کو جدہ میں ہے شفا خانہ حجاز
ہوتا ہے سرخی خاک کا ہر فرقہ و فتنہ سنا ہے ٹولسی سے جو فسانہ حجاز
دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف شہرِ توحید اس میں ہے یوانہ حجاز

دارِ شفا حوالی الطحی میں چلیے

بعض مریضِ خبہ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پورے میں ہے حیات پوشیدہ جس طرح ہے حقیقتِ مجاز میں
تلخا بہ اہل میں جو عاشق کو مل گیا پامانہ خضر نے مے عمرِ راز میں
اوروں کو دین حضورِ آسیہ پیامِ زندگی میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آئے ہیں آپ کے کشف کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درویشاے کام کیا



۲۲۶
بانگِ درا
۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جواب نکلتی ہے شر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز کر رکھتی ہے
قدسی اصل ہے رفعت نہ نظر رکھتی ہے خال سے اٹھتی ہے لڑوؤں پر لڑ کر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ کرو عرش چالاک مرا

آسمان چیریا نالہ بے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سب کے کہیں ہے کوئی بولے سیکے سر عرش میں ہے کوئی

چاند کستا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی لکشاں کہتی تھی پوشیدہ میں ہے کوئی

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شہزادوں کو بھی تیرا یہ وار ہے کیا عرش والوں پر بھی کھڑا نہیں یہ وار ہے کیا

تیس عرش بھی اس کی تک و تاز ہے کیا اس کی خال کی خٹکلی کو بھی پرواز ہے کیا

۲۲۴
بانگ درا
۲۱۱

غافل آداب کے سگان نہیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ پستی کے ملبے کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برسے
عالمِ نفیس کے دامن سے منور ہے
تھا جو سجد و ملائکہ یہ وہی آدم ہے
ہاں مگر عجیب کے اسرار سے نامحسوس ہے

نارے طقت گفستار یہ نغموں کو
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اچنی آواز عظیم کے افسانہ ترا
اسماں کی چوٹوں سے فستانہ ترا
اشکائے تاب سے لب بے پیمانہ ترا
کفست شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا

شکر شکر کوئی نہیں ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاک سے تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں
راہ و کھلا میں لئے رہے منزل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ نگاہ ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

۲۲۸
بانگ درا
۲۱۲

ہاتھ نے زور ہیں لڑنے لگا کر ہیں امتی باعثِ رسوائی پیسہ نہیں
بُت شکن اٹھ گئے باقی جو ہے بُت کر ہیں تمہا براؤ سیم پدر اور پسر آزر ہیں

بادہ اشکام تھے بادہ نیاسم بھی تھے

حرمِ کعبہ نیابت بھی تھے تم بھی تھے

وہ بھی دُن تھے کہ یہی مایہ عینائی تھا نازشیں سیمِ گل لالہ صحرائی تھا
جو سلمان تھا اللہ کا سوائی تھا کبھی محبوب تمہارا یہی حربائی تھا

کسی تحبائی سے اب عہدِ غلامی کرلو

ملتِ احمدِ مرسل کوست امی کرلو

کس قدر تم یہ کراں سج کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے ہاں یہ تمہیں ساری ہے
طبعِ آزادِ قیدِ رمضانِ باری ہے تمہی کہہ دے یہی آئینِ وفا داری ہے

قومِ مذہب کے مذہب نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم نہیں محفلِ اہم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو نہیں قوم کو پروانے شین تم ہو
بجلیاں بس میں چوں آئو وہ ضرر من تم ہو بیچ لھاتے ہیں اسلاف کے مدفن تم ہو

۲۲۹
بانگِ درا
۲۱۳

ہونکو نام قجوب ٹرں کی تجاریے کے
 کیا نہ سوچے کے جول جابیں صہم شہ کے
 صفحہ ہرے طر باسل فرمایا کس نے؟
 نوع انسان کو عن لای چھڑا کس نے؟
 میرے کعبے جہینوں بسایا کس نے؟
 میرے شہر آن کو بسینوں لکایا کس نے؟
 تھے تو ابا و تمھارے ہی ملزم لیا ہوا

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فرما ہوا
 کیا کہا اب اس جہاں ہے فقط وعدہ
 شکوے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
 عدل نے فاطمہ ستری کا ازل سے دستور
 تم میں عیروں کا کوئی چہنہ والا نہیں ہیں
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
 ایک ہی سگائی ہے دین بھی ایمان بھی ایک
 حرم مال بھی اللہ بھی شران بھی ایک
 کچھ بڑی بات تھی پرتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کسین باتیں ہیں
 کیا زمانے میں پہننے کی یہی باتیں ہیں

۲۳۰

بانگے در

۲۱۲

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سما یا ہے عسارِ اغیار؟ ہولنی کس کی زندہ نہ سلف سے بیزار؟

قلب میں سو زہنیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں باس نہیں

جائے جوتے ہیں مساجد میں صفائے تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ یست ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب پردہ لکھت ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب

اُمراۃِ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملتِ بیضاً عربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ نچستہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ مستالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلکستینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مریخِ خواں میں کھنکھاتی نہ رہی

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہی

شوہرے ہو گئے دنیا سے سلمانِ نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کسی سلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں اجنحیں دیکھ کے شرماتیں ہنود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دعوتِ یرتھی سلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ سلم تھا حیات سے نیک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

خود کو لازمی نہ لکھتے صہبائش

خالی از خویش شنِ صوتِ مینائش

ہر مسلمان گِلِ طبل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینہ ہستی میں عملِ جہر تھا

جہبِ رسا تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا
تپے تھیں موت کا ڈر اُس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الگ از برہو

پھر پر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہوا

ہر کوئی مستِ مے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو، ایہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدر مئی ہے پر نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ حافی ہے؟

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ شرآں ہو کر

۲۳۲

باقی رہا

۲۱۶

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم
تم خطا کار و خطا بین وہ خطا پوش و کریم
چلتے سب ہیں کہ ہوں اوج شریا پر مستم
پہلے ویسا کوئی سپدا تو کرتے قلم سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریر کے بھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت ہے بھی؟

خود کشی شیعہ تمھارا، غیب و خود ا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پوختہ اسرا پا، وہ سرا پا لدا
تم ترستے ہو ہلکی کو، وہ ہستیاں بہ کنا

اب تک یاد ہے قوموں کو حیات اُن کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ افسان کی

مثلِ نخبِ اُفق قوم پہ پوشن بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں رہمن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ شہین بھی ہوئے
بے عمل تھے جی اُن دین کے بطن بھی ہوئے

ان کو ہند نے ہر شے سے آزاد کیا

لا کے کعبے صحنِ خانے میں آباد کیا

قینِ رحمت کش تنہا کی صحرا نہ رہا
شہر کی کھائے ہو اباد یہ سپاہ نہ

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے بیانہ رہا
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ رہا

گلہ جو رہے ہو، شکوہ بیدار نہ ہو
عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نورق ہے آتشِ زینِ سرخس ہے
امین اس کوئی صحرانہ کوئی کاشی ہے
اس نئی آگ کا اقوام نہیں لیں دھن ہے
ملتِ ختمِ رسل تعدیہ یہ لہجہ ہے

آج بھی ہو جو براہِ شیم کا ایماں پیدا
آگ لے سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ کر زنا ہے چہ زپرِ شاں مالی
کو کٹبِ بنچہ شے شاخیں ہیں چکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گستاں خالی
گل بر انداز ہے نچو شہنشاہ کی لالی

زندگِ فردوس کا ذرا دیکھ تو غمتِ بلی ہے
یہ نیکلتے ہوتے سوج کی اشتیاقِ بلی ہے

امتیں گلشنِ بہتی میں ٹہر چید بھی ہیں
اور سُرُم ٹہر بھی ہیں خزانِ مد بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں کاہید بھی بالید بھی ہیں
سیکڑوں لطنِ چین میں ابھی پوشید بھی ہیں

نخلِ اسلام نوٹ ہے برو سندھی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چیندھی کا

۲۳۲
بادشاہی دربار
۲۱۸

پاک کے کرو وطن سے سدا ماں تیرا تو وہ بوسے کے کہ ہر مصرعے کنعان تیرا
 قافلہ ہونہ کے کا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانہ درالچہ نہیں سا ماں تیرا
 نخل شمع استی و شعلہ و ویریشہ تو

عاقبت سو زبوسایہ اندیشہ تو

تو نہ مٹ جانے کا ایران کے مٹ جانے سے نقشہ کے کو تعلق نہیں سمانے سے
 ہے عیاں پوششِ تار کے افلاک سے پس باں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
 کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو سنگام بہ پیا پوششِ بلخاری کا غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
 تو سمجھتا ہے یہ سماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے اشار کا، خود داری کا

کیوں ہر اسماں ہے چھہیل فرس اعدا سے

نور حق تجھ نہ کے کا نفس اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی نسلِ سستی کو ضرورت تیری
 زندہ رہتی ہے زمانے کو حرارت تیری گو کہ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

۲۲۵

بانگ درا

۲۱۹

وقتِ فرصت ہے کہاں کا لم بھی باقی ہے
نورِ حید کا اسم بھی باقی ہے

مثلِ بوقیہ کے غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بروشِ جلالے چمنستان ہو جا

ہے تنکائیہ تو درے سے بیابان ہو جا
نغمۂ موج سے ہنسکارِ طوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر پست کو بالا کروے

دہر میں اہم محسوس سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ ٹھول تو بے ل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر سے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی تیشِ آماوہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کھسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

چین کے شہزادے قش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ سلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبطِ ارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شانِ رفعتِ ملکِ فزول دیکھے

۲۲۶
باقی ہے در
۲۲۰

مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی و نیل وہ تمھارے شہسپا اپنے والی و نیل
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی و نیل عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی و نیل

تیش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری ہر عشق ہے شمشیر تری مے درویشِ اُخلافت ہے جہاں کس تری
ماہوی اللہ کے لیے آگ ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم سے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم سے ہیں

ساقی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تمھارے ساقی
جوابہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے اک بقاء دوام لے ساقی!

کٹی ہے ات تو ہنگامہ شری میں ہی
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

۲۳۴
ماہی سے در
۲۲۱

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعراً و عرشی)

خوش تو ہیں ہم بھی انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے کل جاتی ہے فرما بھی سنا
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
لکھریں پڑنے کے شیریں تو ہوتی جلد وہ نما لے کے آتی ہے مگر تیشہ فرما د بھی ساتھ
تحسین دیکر کیفِ ارم و بکاریم ز نو
کا کچھ شہیم ز خجالت نتواں نمودر

قربِ سلطان

تمیزِ حاکم و محکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا کہ کدالہ چو شاہ کا چہروش
جہاں میں عیاج پرستی سے بندگی کا مال رضائے خواجہ طلب کن قباے رنگیں پوش
مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش
پرانے طرزِ عمل میں ہر پریشاں ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

۲۳۸
بانگ درا
۲۲۲

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں ریچے
یہی اصول ہے سرمایہ سلوٹن حیات
گھر خوش پائل ہے تو تو بسم اللہ
شریکِ بزمِ اسیہ وزیرِ سلطان ہو
پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
کہ ہے یہ سترِ نہاں خانہِ ضمیرِ خوش

”محلِ نورِ جلیستے انور شاہ

چو بے اوطلسِ در سے نیتِ کوش

شاعر

جوتے سرِ دافریں آتی ہے کوہِ سائے
مستِ مےِ مخرام کا سن تو درِ اسپاں تو
پھرتی ہے او یوں میں کیا دخترِ خوش خرام
پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہار سے
زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے
کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہٗ مرغزار سے

جامِ شرابِ فہ کے خم سے اڑاتی ہے
پستِ بلند لڑکے طے لھیتوں جا پلاتی ہے

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے لکھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے رُخِ ندکی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیا
کرتی ہے اُس کی قوم جیسا پناہ شعار آری
اہلِ زمیں کو نُسختہ زندگی دوام ہے
خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوتے سے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو کلی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویسہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگِ مار و دھن سحر
منزلِ ہستی سے کرجاتی ہے خاموشی سفر
مخفی قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دہتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
چھپاتے ہیں رپے پاکے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ کر آتا تو بھی ہو

وہ چمک اٹھا افق، کرمِ تقاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں یہ پیامِ بوشلِ آفتاب
دامنِ کروں سے کما پیدائشوں یہ مرغِ سحاب

۲۲۰

بانگِ درا

۲۲۲

کھینچ کر خنجر لہر کا پھر سو سر گرم ستیز
پھر کھاتا ریلی باطل کو آدابِ نمیز
تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے
اے دل کو ن مکان کے از مضمحل فاش ہے

دعا

یارب اولِ سلم کو وہ زندہ تہمت دے
پھر ادویِ فاراں کے ہر فتے کو چمک دے
محروم تماشا کو پھر دیدہ پسند دے
بھٹکے ہوئے انہو کو پھر سوتے حرم لے چل دے
پیدا دلِ بیاں میں پھر شورشِ محشر کر دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
رفت میں مقاصد کو ہمدوشِ شریا کر دے
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو دے

جو قلب کو لڑ مار دے جو روح کو تڑپا دے
پھر شوق تماشا کو پھر فراقِ تقاضا دے
دیکھ لے جو کچھ میں اور دیکھ لے کھلا دے
اس شہر کے خول کو پھر وسعتِ صحرا دے
اس محسوسِ خالی کو پھر شہا پہ لیا دے
وہ دماغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
خود دار می ساحل دے آزاد می دریا دے
سینوں میں اُجالا کر دل صورتِ مینا دے

۲۲۱
بانگِ درا
۲۲۵

احساس عنایت کراہم مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا کے

میں بیل لائیں اگلے اڑھائی گھنٹوں کا
تاثیر کا سال ہوں محنت کج کو داتا ہے

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برک زروکتا تھا
کیا وہ موسم گل جس کا رازدار ہوں میں
نہ پتا سال کریں مجھ کو زائرانِ چین
انھی کی شلخ نشمین کی یادگار ہوں میں
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
چمن میں آگے سرِ اخسہم بہار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی لیونلر سو لو ارہوں میں
اجار ہو گئے عہدِ کھن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شیش و سترت ہیں سناتا ہے

ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے



۲۲۲

یادگارِ دور

۲۲۶

فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابروئے امت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشتِ خال کا معصوم ہے
یہ سعادتِ حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہادِ اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ہے جہادِ آخری شوقِ شہادت کس قدر
یہ بھی اس گھسٹانِ خزاں منظر میں تھی ایسی چٹکاری بھی تیرے لبِ اپنی خالِ سر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اُٹھو بھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی ابیدہ ہیں!

فاطمہ! کوشنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے نغمہِ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے
قص تیری خال کا لکنا شاد انگیز ہے ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگام تیری تیرے بتِ خاموش میں دل ہی ہے ایک قومِ تازہ اس انگوشت میں
بے خبر ہوں چپان کی سب مقصد کے میں افریقہ میں دیکھتا ہوں اُن کی اس مرقعے میں

۲۲۳
بانگِ درا
۲۲۴

تازہ آبِ کافضائے آسمان میں کھلو
دیدِ انسان کے محسوس کی موجِ نور
جو ابھی ابھی سے غلٹ خانہِ آیام سے
جن کی ضمونا آشنا ہے قیدِ صبحِ شام سے
جن کی تابانی میں اندازِ کُن بھی نو بھی ہے
اور یہ کہ کتبتِ سیر کا پرتو بھی ہے

شبنم اور ستارے

اک ات یہ کہنے کے شبنم سے ستارے
ہر صبح نئے تہجے کو میسر ہیں نفا
کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چلی ہے
جو بن کے مٹے اُن کے نشان دیکھ چلی ہے
زہر نے سُنی ہے یہ خبر ایک ملک سے
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
کہ ہم سے بھی اُس کشورِ لکھنؤ کا فناء
گاتا ہے سحر جس کی محبت کا ترانہ

اے تار و نہ پوچھو پستانِ جہاں کی
گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
اتنی چھبواں سچکٹ جانے کی حطر
بے چاری کلی کھلتی ہے مڑھانے کی حطر
کیا تم سے کہوں کیا چین منور زکلی ہے
نتھاسا کوئی شعلہ بے سوز کلی ہے

۲۲۴

بانگِ درا

۲۲۸

گلِ نالہ بے بس کی صدا سن نہیں سکتا
 وہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا
 ہیں مرغِ نوارِ زلفِ زارِ غضب ہے
 اکتے ہیں تیرے سایہ گلِ خارِ غضب ہے
 رہتی ہے سدا نرگسِ بیار کی تر آنکھ
 دل طالبِ نیت روئے محرومِ نظر آنکھ
 دلِ سوختہ لڑی نہ روئے ششاد
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے ششاد
 تارے شہرِ آہ ہیں انساں کی باں میں
 میں لڑیہ لڑوں جو گلستاں کی باں میں
 نادانی ہے یہ لڑو زمین طوفِ قمر کا
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داغِ جگر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر

فرماؤ کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

محاصرہ اور نہ

یورپ میں جس لٹری حق و باطل کی چھڑ لیتی
 حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 لڑو صلیب لڑو تیر حلقہ زن ہوتی
 شکری حصارِ ورنہ میں محصور ہو گیا
 مسلم سپاہیوں کے ذخیرے تھے تمام
 روتے امید آنکھ سے ستور ہو گیا
 آخر امیرِ عسکرِ ترکی کے حکم سے
 آئین جنگ شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوتی ذخیرہ لشکر میں منتقل
شاہیں گداہے دانہ عصفور ہو گیا
لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
کرما کے مثل صاعقت تہ طور ہو گیا
’ذوقی کا مال شکرِ سلم یہ ہے حرام‘
فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
سلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

غلام قادر رحمہ اللہ

رہیہ قس قدر عالم جفا جو، لہذا پرورتھا
نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے
ویا اہل حرم کو رقص کا فرماں ستم کرنے
یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آثارِ شہر سے
بھلا سیل اس فرمانِ غیرتِ کش کی ممکن تھی
شہنشاہی حرم کی نازِ میانِ سمن سے
بنایا آہِ سامانِ طرب بیدار نے ان کو
نہاں تھا حسنِ جن کا چشمِ مہرِ ماہِ اختر سے
لڑتے تھے دلِ نازکِ قدمِ مجبورِ خنیش تھے
رواں ریائے خوں شہزادیوں کے دید تھے
یونہی کچھ دیر تک مجھ نظر آنکھیں ہیں اس کی
کیا کھبرا کے پھر آزاوسر کو بارِ ہنسنے سے
کمرے اٹھ کے تیغِ جاں آستانِ آتشِ فشاں لھولی
سبق آموزِ تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے

۲۲۶
باقی ہے در
۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پسہ کچھ سوچ کر لیٹا
 بجائے خواب کے پانی نے اُگل اس کی آنکھوں کے
 تقاضا کر رہی تھی عنید کو یا چشمِ احمر سے
 نظر شرما لیتی ظالم کی درو آئینہ منظر سے
 پھر اُٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کھنسنے
 مرا مندر پہ سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تمور کی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بکریہ از آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حیات نام ہے جس کا لٹی ہوئے گھر سے

ایک مکالمہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے
 گرتو ہے ہوا کیسے تو جڑوں میں بھی ہوا کیسے
 پرواز، خصوصیت ہر صاحب پر ہے
 مجرّم حمیت جہوتی مرغ ہوا کی
 پرواز اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز
 ازاد اگر تو ہے نہیں میں بھی گرفت
 کیوں رستے ہیں مرغِ ان ہوا مائل بنداز؟
 یوں کھنسنے لگا سن کے یہ گفتار دل آزا
 حد ہے تری پرواز کی لسیکن سر پرواز
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزا ہے تو بھی

۲۲۷
 بانگ درا
 ۲۳۱

واقف نہیں تو بہت مرغابن ہوا سے تو خال شہین انھیں فُوس سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خال بختی

ماور صد و دانہ بہ نجم زوہ منتار

میں اور تو

مذاق دینے نا اشنا نظر ہے مری تری نگاہ ہے فطرت کی راز وان پھر کیا

رہین شکوۂ ایام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے چین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلک نے کیا تجھ کو آشیان پھر کیا

فروز ہے سوو سے سرائیہ حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیار مرا جہان ہے محرم بادبان پھر کیا

قوی شدم چشما تو ان شدم چشہ

چنین شدم چشہ دیا چناں شدم چشہ

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار ست

تو لہ بہار شدی ما خزاں شدم چشہ

۲۲۸
ہاگہ سے در
۲۳۲

تضمین بر سر ابو طالب کلیم

خوبے تجھ کو شعارِ صاحبِ شربت کا پس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
جس سے تیرے حلقے خاتم میں گروں تھا اسیر
اے سلیمان! تیری غفلت نے گنوا یا وہ نکمیں
وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
ہوتی ہے اُس سے ابنا آتشنا تیری جہیں
دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفریں
تیرے آبا کی نگہ بھلی تھی جس کے واسطے
غافل اپنے اشیاء کے پھر ابا و کر
نغمہ زن ہے طورِ حسنی پر کلیم نکلتے ہیں
ہے وہی باطل تھے کا شانہ دل میں مکھیں

”سرکشی باہر کہ کردی ام او بایشدن
شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی آنجاشیں“



۲۲۹
بانگ درا
۲۳۳

شبلی حسانی

مسلم سے ایک روز یہ سوال نے کہا
 تیرے سر و دست کے نفعی علوم نو
 دیوانِ جزو و کل میں ہے یہ سیرا و جو فرو
 تہذیبِ تیرے تافلہ طائے کُنن کی لرو
 نازل بہت ہے آئینہ آبرو تے مرو
 کرتے ہیں چارہ شتم چرخ لا جو رو
 کیونکر ہوئی خزاں تیرے گلشنِ بہم نبرد
 غماز ہو گئی عنہم پنہاں کی اہ سرد
 اوراق ہو گئے شجرِ زندگی کے زرد
 ساریہ لدا ز تھی جن کی نوائے درد
 شبلی کو رو ہے تھے ابھی اہلِ گلستاں
 حالی بھی ہو گیا سوتے فردوسِ نور

”الکون کراد ملغ کہ پیرد ز باغباں
 بیل چغت و کل چشنید و صبا چہ لرو“

۲۵۰
 بانگِ درا
 ۲۳۲

ارتقا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی
حیاتِ شعلہ مزاج و غیور و شور و گیند
سرشت اس کی ہے شکل کشی جفا طلبی
سکوتِ شام سے تاغمرِ سحر کا ہی
ہزار حرد ہائے فغانِ نیم شبی
کشاکشِ نرم و کرماتِ پُرش و خراش
زخاںِ تیر و زوڑوں تا بہ شیشہِ حلبی
مقامِ بست و بست و فشار و سوز و کشید
میانِ قلعہ و قلعیان و آتشِ عنبی
اسی کشاکشِ بہیم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے ارتقا و تباہی ملتِ عربی

”معاں کہ دائۂ انجور آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد من کے فریاد طرب سے عمر اٹھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؑ ضرور
 لائے عرض کند مال رسول امین کے پاس
 دس مال راہ حق میں جموں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بڑھ کر رکھے گا آج وقت دم میرا راہوار
 ایشیا کی ہے دست نگر ابتدا سے کار
 اے وہ کہ جوش حق سے تڑپے دل کو ہے قرار
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق لڑا
 رکھتے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟

کی عرض نصف مال ہے فرزند زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رنسیق نبوت بھی آگیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد و فاسر شرت
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا
 ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
 اس پر قمر سم و شتروت اطرو حمار
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
 بولے حضورؐ چلیے منکر عیال بھی

۲۵۲

باقی رہے

۲۳۶

اے تجھ سے دیدہ مرہ و نحس فروغ گیر! اے تیری فست باعثِ سکونِ روزگار!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

جہدِ حق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیبِ حاضر

تضمینِ برشمرِ فضی

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں
کیا کرتے کو جھنڈے کے تابِ مستعار اس نے
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
تغیر آگیا ایسا تدبیر میں تختہ میں
کیا کلم تازہ پروازوں نے اپنا آسماں لیکن
حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
فروغِ شمع نو سے بزمِ سلم جھکا اٹھی
”تو اے پروانہ! اس خمِ میزِ شمعِ محفلِ اری“

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخالی
کوئی دیکھے تو شوخیِ آفتابِ جلوہ سما کی
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
ہنس سی سمجھی لٹی طش میں غنچوں کی جلد چال کی
مناظرِ دلکش اور لہلائی ساحر کی چال کی
رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہونہار کی
مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ اور کی
چومیں آتشِ خود سو اگر سوئے داری“

۲۵۳
بانگِ درا
۲۳۷

والد مرحومہ کی یاد میں

وڑھ وڑھ دھڑکا زندانیِ تقدیر ہے
پردۂ مجبوری و بے چارگیِ تدبیر ہے
اسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
انجمنِ سیلابِ پافستار پر مجبور ہیں
چے شکستِ انجامِ غنچے کا سب گھزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گھزار میں
نفسِ بھلیل ہو یا آوازِ خاموشیِ ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

۲۵۲
بانگِ درا
۲۳۸

قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و نعم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہنِ سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبِ نیم کی شادابی نہیں
 آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عُقبالی نہیں
 جانستاروں آہ، میں الہمِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصہٴ نسیمِ زلفی و وراں نہیں
 دلِ مراجیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہٴ پیہم کی ہے
 آہ! یہ تردیدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہٴ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

۲۵۵
 باغِ دریا
 ۲۳۹

موج دُودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
 گنج آب اور دے سے سور ہے دامن مرا
 حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
 رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
 رفتہ و حاضر کو گویا پاپا اس نے کیا
 عہدِ طفلی سے مجھے پھر اشنا اس نے کیا
 جب ترے دامن میں پکتی تھی وہ جانِ ناتواں
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشم کو ہر بار کے
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
 دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
 زندگی کی آوج کا ہوں سے اتر آتے ہیں ہم
 صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

۲۵۶
 بانگِ درا
 ۲۲۰

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اُسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب چوکا وطن میں آہ امیرا تظنار
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقدِ پرتی لے کر یہ مندر یاد آؤں گا
 اب دُعا ئے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

۲۵۷
 یادگارِ دریا
 ۲۴۱

کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آتشنا صبح و ساروتا ہے وہ
 تخمِ جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شکرِ نعم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی

اے اے دنیا، یہ ماتمِ حنائیٰ برنا و پیر
 آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر
 کتنی مشکلِ زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
 کیسی کیسی دُخستراں مادرِ ایام ہیں!
 کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و در میں شہر میں، گلشن میں ویرانے میں موت

۲۵۸

بانگِ درا

۲۲۲

موت ہے ہنگامہ آراشِ لڑم خاموشی میں
 ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی اغوش میں
 نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ کفست ہے
 زندگانی کیا ہے، اک طوقِ کلو افسار ہے!

قفلے میں غیرِ یادِ دورِ کچھ بھی نہیں
 اک مستراحِ دیدہ ترکے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ کر دوں ابھی دور اور بھی
 سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہ یادِ پر محسوسِ بے بس ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کر دے گی انھیں بادِ بہارِ جاوید

خفتہ خاکِ پے سپر میں ہے شرارِ اپنا تو کیا

عارضی محسوس ہے یہ مُشتِ غبارِ اپنا تو کیا

۲۵۹
 بانگِ درا
 ۲۲۳

زندگی کی آگ کا انجم خاکستر نہیں ٹوٹنا جس کا مست تدر ہو یہ وہ کوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے
ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ ام کائنات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہِ غافل! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب
موجِ مضطر توڑ کر تعبیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اُس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیدروی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگِ درا

۲۲۲

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا ار پیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر
 یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر
 فطرت ہی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 آہ سیما پریشاں، انجمِ لڑووں فروز
 شوخ یہ چنکاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس کے سر پہ زانو ہے وہ مدتِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں آں سوئے فداک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی ستا صد میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمع روشن محضِ قدرت میں ہے
 اسماں ال نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

۲۶۱
 بانگِ درا
 ۲۲۵

جس کی نادرانی صداقت کے لیے بیتا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مہضرا ہے
 شعلہ یہ کمر سے لڑوؤں کے شراروں سے بھی کیا
 کم بہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 آنکھیں کل لی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواہ ہے
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دُانے میں جو ستور ہے
 خوشگالی، غم و غنائی کے لیے مجبور ہے
 سردی و مرگ سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لحد اُس قوتِ اشْفیٰ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے لہر و لہر میں جو اپنی کسند

۲۶۲

ہاتفِ دل

۲۶۲

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس فکشن میں جُز سنجیدہ پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں دروِ اجل ہے لاووا
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دل گھر، غم مرنے والوں کا جہاں آباؤں سے
 حلقہٴ زنجیرِ صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تھمتا مالہ ماتم نہیں
 وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو مالہ و سنہرے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سریشِ آباد سے

۲۶۳
 باگئے در

۲۲۷

آدمی تابِ شکیبائی سے گو محسوس ہے
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساسِ نامعلوم ہے
 ق جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رختِ ہستی خاکِ عینِ کی شعلہ افشانی سے ہے
 سرورِ یہ آلِ اس لطیفِ احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فناِ خاموشی نہیں
 پردہِ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتشِ قلب لرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہٴ بے بل کے زنداں سے سرودِ آزاد ہے
 سیکڑوں نعشوں سے باوجود ہم آباد ہے

۲۶۴

بانگِ درا

۲۲۸

خُفتِ تکانِ لالہ زار و کوہسار و رُودبار
 ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہملنار
 یہ المِ آئینِ بستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
 مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجِ صبح
 دامِ سیمینِ نیل ہے مرا آفتِ لیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دلِ دردِ آشنا معمور ہے
 جیسے کعبے میں دُعاؤں سے فضا معمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ کاہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
 مختلف مہرِ نزلِ بستی کی رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلِ رشتِ اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

۲۶۵

ماگہ در

۲۶۶

نورِ فطرتِ خلقتِ پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکارِ انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ سرِ مرقدِ شروازاں ہو ترا
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں ہو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
 بسزہ نور ستارے اس گھر کی نگہبانی کرے

شعاعِ افتاب

صبح جب میری نگہ سودائی نظر تھی
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 میں نے پوچھا اس کے سرِ اظہار
 تیری جانِ ناشکیبا میں سے کیسا اضطراب
 تو کوئی چھوٹی سی جہلی تھی جس کو آسماں
 کر رہا ہے خرمِ اقوام کی خاطر جواں

۲۶۶

بانگِ درا

۲۵۰

یہ تڑپے یا ازل سے تیری خوشی، کیا ہے یہ
رقص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیا ہے یہ؟

”نُفختہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں
پُرش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
مضطرب ہر دم مری تقدیر لکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذتِ تنویر رکھتی ہے مجھے
برقِ آتشِ خو نہیں فطرت میں غوغا ہوئی نہیں
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں سماؤں کی یہ
راستے کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دلکھلاؤں کی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حوالتے بیداری بھی ہے
سوئے لوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے؟

غُرفی

محل ایسا کیا تعمیرِ سرفی کے تختیل نے
تصدیق جس چہرے خاندہ سینا و فارابی
فضائے عشق پر تحریر کی اُس نے نوا ایسی
میسر جس پہ آنکھوں کو اب تک اشکِ غنابی
مرے دل کے اِل دُن اِس کی تڑپ کے شکایتی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بستیابی
مزاجِ اہلِ عالم میں تغفیت سے کیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا کے کیفیت و سیما بی

۲۶۷
ماگ سے در
۲۵۱

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوش ہوئی ہے نہ ہوجبت چشم محفل آشنائے لطفِ بے خوابی
 کسی کا شعلہ فرماؤ نہ ظلمتِ بالینو کو کراں ہے شبِ ستونِ پیرِ سحر کی آسمانِ تابنی
 صد اُترتے آئی ”شکوۃ اہل جہاں کلم کو نوارِ تلخِ ترمی زُن چو فوقِ نغم کلم یابی
 حُدیٰ اُنیز ترمی خاں چو محملِ الراں بینی“

ایک خط لے جاں میں

ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تکِ تا حصولِ جا ہے اُستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکرِ طبیعت ہے ریزہ کارِ مری ہزار شکر نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہیں لہستیاں سرسبز جہاں میں چوں میں مثالِ سحابِ یاباش
 یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مر ہے سینہ خراش
 ہوائے بزمِ سلاسیں دلیلِ مُردہ ولی کیا ہے حافظِ رنگیں نوائے رازیہ فاش

”کرت ہو است کہ باخضر ہم نشین باشی
 نہاں ز چشمِ کُندِ چو آبِ حیاں باشی“



۲۴۸

بانگِ درا

۲۵۲

نمانا

قوم نے سینا کو تم کی وار پڑا نہ کی
 اہ ابد قسمت ہے آوار حق سے خبر
 اشکار اُس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 اہ! شور کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سرشک ہے اب تک مے پندار میں
 بُت لہو پھر بعدت کے مگر روشن ہوا
 شمع کو تم جل رہی ہے محفل غیب میں
 نور ابراہیم سے اندر کا کھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اوحید کی پنجاب سے
 ہند کو ال مرد کامل نے جکایا خواب سے



۲۶۹
 بانگ درا
 ۲۵۳

گفرو اسلام

تضمین بر شعر سیر رضی دانش

ایک دن قبائل نے پوچھا کلیم طوے
 آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
 تھا جواب صاحبِ مینا کہ سلم ہے اگر
 ذوقِ حشر ہے تو پھر لازم ہے ایسا بن سیر
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پروا نہ کر
 عارضی ہے شانِ حاضر، سطوتِ غائب مدام
 شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کب
 اے کہ تیرے نقشِ پائے ادھی سینا چمن
 ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں تر اسوہ کلمن
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
 ورنہ خاستہ تیرے تیری زندگی کا پیہن
 منتظرِ ادھی من راں میں جو کز خیمہ زن
 اس وقت کو محبت سے ہے بھڑ جان و تن
 ”شمع خود رامی کداز و دیرِ سخن آہن
 نورِ ماچوں آتشِ سنگ از نظرِ نہاں چو شست“



بدل

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اپل قلم میں جس کا بہت حستہ تھا
جولاں کہ سکندر رومی تھا ایشیا
کڑوں سے بھی طبت تر اس کا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پس وارانے حستہ تھا
ونیکے اس شہنشاہ انجم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلک نسیل فام تھا

آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اُسے پہچانتا نہیں

لیکن بدل، وہ حبشی اوجھستیر
فطرت تھی جس کی نوز بہت سے سُستیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینہ بدل
معلوم اس صدا کے ہر شہنشاہ فقیر
ہوتا ہے جس کے اسودہ جسم میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے ہیر
ہے تازہ آج تک وہ نواتے جگر لداڑ
صدیوں سے سن رہے ہیں جسے خوش چرخ ہیر

اقبال اس کے عشق کا فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

۲۷۱
بانگ درا
۲۵۵

مسلمان اور تسلیم چٹ

تضمین برسر ملک قومی

مُرشد کی یہ تسلیم تھی اے تسلیم شوریہ
بدلی زمانے کی ہوا، ایسا نیست کر گیا
وہ شعلہ روشن تر اُظلمت کر ریزاں جس سے تھی
شیدائی غائب نہ رہا دیوانہ ہو جو
ممكن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آور تری
اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی دوا
رہبر کے ایسا سے ہوا تعلیم کا سو واجبے
لیکن جانچتے رہیں دیکھئے زبوں بختی مری
”رفتم کہ خار از پاشتم، محل نہاں شد از نظر
یک لحظه غافل شتم و صد سالہ اسلم و رشد“



۲۷۲

بانگ درا

۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کلی سے کہہ رہی تھی ایک دشمنم گُلستان میں
رہی ہیں ایک مدت غنچہ ہائے باغِ صنواں میں
تھکے گُلستان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
نکدہ فردوسِ دامن ہے میری چشم حیران میں
سُنہ ہے کوئی شہزادی ہے حاکمِ گُلستان کی
کہ جس کے نقشِ پایے پھولِ جون بہا بیابان میں
کبھی ساتھ اپنے اس کے اتنا تک مجھ کو ٹوٹے چل
چھپا کر اپنے دہن میں نہکِ موجِ ٹوٹے چل

کلی بولی سرریا رہا رہی ہے وہ شہزادی
دخشاں جس کی ٹھوکر سے پُچھ پھر بھی نہیں جُن
مگر فطرتِ ترمی اُفتندہ اور یکم کی شانِ اونچی
نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شیشِ جُن
پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
کسی کو دور کے مارے کا اشکِ اشیشِ جُن
نظر اُس کی پیامِ عید ہے اہلِ محترم کو
بنادیتی ہے کو ہر غمِ زووں کے اشکِ سیم کو

تضمینِ برِ شعریات

کہاں اقبال تُو نے بنایا اشیاں اپنا
نوا اس باغِ میں بیل کو ہے سامانِ سوانی

۲۷۳
بانگِ درا
۲۵۷

شرائے ادبی امین کے ثوبوتا تو ہے لیکن
 نہیں ممکن کہ چھوٹے اس میں کچھ سیمائی
 کل زور نفس سے بھی ہاں گل ہو نہیں سکتی
 جہاں پر شے ہو محروم تھا ضلعت خود فزائی
 قیامت ہے کہ فطرت گوئی اہل گلستاں کی
 نہ ہے بیدار دل پیری نہ ہمت خواہ برنائی
 دل کاہ جب ابید ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نوالہ کے لیے زہر اب ہوتی ہے شکر خانی
 نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کہ سیلی دریا باں جلوہ کر باشد

نذار تنگناے شہر تاب حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک و ز
 اے آنکہ ز نور لہر نظم فکتاب
 حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چراغ مرہ خستہ زدہ امی باز
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 واما ندۃ منزل ہے کہ مصروف ملک تاز
 مذہب کی حرارت بھی ہے لچھے اس کی گوش میں
 تھی جس کی فلک سے زل بھی گرمی آواز
 باتوں سے ہوا شیخ کی حالی مست اثر
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۷۴
 بانگ درا
 ۲۵۸

جب پیر فلک نے ورقِ ایام کا لٹ
آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل
وہیں ہو تو مستاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
مذہب کے سہم انگلی اسرار ہے باقی
بنیاد لہرز جاتے جو دیوارِ حسن کی
پانی نہ ملازمِ ملت سے جو اس فوج
یہ ذکر حضورِ شریف میں نہ کرنا
آئی یہ صہدا، پاؤں کے تعلیم سے سہراز
دنیا تو ملی ہٹا کر دیں لکیر پر از
فطرت سے جو انوں کی نہیں لکیر میں تاز
وہیں ہر جہ سے جمعیت ملت سے الرساز
ظاہر ہے کہ انجہمِ فطرت کا ہے آغاز
پیدا ہیں نئی نپو میں الحاد کے انداز
سمجھیں نہ کہیں ہند کے سلم مجھے غماز

’خُرمانتواں یافت ازاں خار کہ شتیم
دییانتواں یافت ازاں پشتم کہ رشتیم‘
(سعدی)

مذہب

تضمین بر شعریز ابیدل

تعلیم پیرِ فلسفہ مغربی ہے یہ
پیدا نظر سے نہ ہوا شنا تو کیا
نماواں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
ہے شیخ بھی مثالِ برہمن سنم تراش

۲۴۵
باقی در
۲۵۹

محوس پر پناہ عیسو موم جڈ کی
 اس فور میں ہے شیشہ عقیقہ کا پاش پاش
 مذہب کے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
 ہے جس کے آدمی کے تختہ کیل کو انتقام
 کتا مگر ہے فلسفہ زندگی لچھ اور
 مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش
 ”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
 ہر جہت کیل کل شدہ امی بے جنوں مہاش“

جناب یرمول کا ایک واقعہ

صف بستہ عریکے جوان تنغ بند
 تھی منتظ جن کی عروس زمین شام
 اک نوجوان صورت سیاب مضطرب
 اک لڑکھواہیہ عساکر سے ہم کلام
 اے بوجہ سید رخصت پیکار سے مجھے
 لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
 اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 لے جاؤں گا خوشی سے الر سو کوئی پیام
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ
 جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
 بولا اسیہ فوج کہ ”وہ نوجوان ہے تو
 پیروں یہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

۲۷۶
 بانگ درا
 ۲۶۰

پوری کرے خدا نے مستد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
 پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیں میں تُو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
 ہم پر کرم کیا ہے خدا نے غور نے
 پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی ہمت پر قیاس اقوامِ مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
 اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوتِ مذہب سے حکم ہے جمعیت تری
 دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہا
 اور جمعیت ہوئی رخصت تو ہمت بھی لٹی

پیوستہ شخص سے ایمید بہار رکھ

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں میری ہو سحابِ بہار سے
 ہے لازوال عہدِ خزاں اُس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برلن سے

۲۷۷
 مانگے رہا
 ۲۶۱

ہے تیرے گھڑاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گل زر کا مل عیسے
جو غمزدن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
رخصت ہوتے تھے شجر سایہ دار سے
شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
نا آشنا ہے فتاعدہ روزگار سے
رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار کھلا

شبِ معراج

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رویکِ گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں
کہہ ہی ہے یہ سیلِ سان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے اگلے دلِ صدفِ علیل کی
تو اپنے پیرِ سچ کے چاک تو پہلے رفو کرے
متنا ابروی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کرے
صنوبرِ باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کرے

۲۷۸
بانگِ درا
۲۶۲

تنگ بخشی کو ہتھکڑیاں پہنا کر
نہیں یہ شانِ خودارنی چمن سے توڑ کر تجھ کو
چمن غنچ پہ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
اگر منظور ہو تجھ کو خزانِ اشنار ہنا
نہ رہت کشتِ شبنم رنگوں جام و سب کو کرے
کوئی ستار میں لکھ لے کوئی سب کو کرے
مذاق جو چھین ہو تو سپید رنگ کو کرے
جہان رنگ بوئے پہلے قطعِ آرزو کرے

اسی میں دیکھ کر ہر حالِ زندگی تیرا
جو تجھ کو زینتِ اس کوئی آئینہ نہ کرے

شکریہ

شفیق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
برلِ گل آئینہ عارضِ زیلے بہا
حسن آئینہ حق اور دل آئینہ مجسم
دلِ انساں کو ترا حسنِ کلام آئینہ
نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ
شاہدے کے لیے جملہ جام آئینہ

ہے ترے فکرِ فلک سے کہاں ہستی

کیا تری فطرتِ روشن تھی مالِ ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
تاخیرِ رشید میں رشید کو پہنا دیکھا

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سو ایسا

راز و اس بھرنہ کر کے لی کوئی سپید ایسا

کے اور تو

سلسلہ مجاہدین کلم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درختوں تو پیرید زناں رسیدو

مرعیش غم مرا شہد مری بودم نفس عدم

وہم زندگی رقص زندگی عیشم زندگی شہم زندگی

ترہی خال میں ہے اگر شررت تو خیال فقر و غنا نہ کر

کوئی ایسی طرزِ طوافِ ثوبِ مجھے ایسا حرام ہے!

گلد جفا سے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ ستھرہ کاہہاں تھی نہ حرفِ بخت گننتے

کرم الشَّعْبِ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَخْلُقْهُ مِنْ مَتَلِّ كَرَم

میں ملک جاؤںے سامری تو قتل شدہ ازرمی

میں حکایتیں سن کر نہ تو وحدتِ عالم الہی

تراول حرم کبرجسم تراو حرم کافری

غیر منہ لڑا غم نہ کھا لہی سے شاہ قلندر

کہ حلال ہے نہ اربعہ میں سے ایک وقت بھی

کتر ستمگر کہ عطا ہو وہ ہر شے سمندر

کے لیے یہ کیا کرو تو کہہ سکتے ہو کہ یہی

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمُ تُكَذِّبُونَ

اگر تونہ اکابر و مہاجر کی

وہ لڑکے کھیل رہے ہیں۔

PA.

مانگیے وا

٢٤٨

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بند
قطرہ نیساں ہے ندانِ صدف کے ارجمند
مُشکِ اُفرچیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مُشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آہو میں بند
ہر لسی کی تربیت کرتی نہیں قدرتِ مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دامِ قفس کے بہر مند

”شہرِ چراغ و مرغِ بندِ قید و صید نیست

اس سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کو داند“

درِ نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے اگلی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید

کہ از دیکراں خواستن موسیائی“

۲۸۱
مانگے در
۲۶۵

ہمایوں (مشر بس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ راغ انجمن افروز تھی
گرچہ تھاتیرا تن حسا کی نزار و درہند تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
کس قدر بے باک دل اس تو اس پیکر میں تھا شعلہ لڑوں نور واکِ مُشتِ خاستہ میں تھا
موت کی لکین دل وانا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں جز منہ کا تہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل خستہ نامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



۲۸۲
بانگِ درا
۲۶۶

خنسراہ

شاعر

ساحلِ دریا پہ میں اک راست تھا منظر
کوشہٴ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
شبِ سکوتِ سنرا، ہوا اسودہ، دریا نرم سیر
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیرخوار
موجِ مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب

۲۸۳
بانگِ درا
۲۶۷

رات کے افسوں سے طائرِ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کمِ خدو گرفتِ طلسمِ ماہِ ستاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں میں پناہ
 جس کی پیری میں ہے مانسہ سحرِ زنگِ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویئے اسرارِ ازل
 چشمِ دل وا ہو تو ہے تفتِ دیرِ عالمِ بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بپا ہوں شکامہ محشر ہوا
 میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخنِ ستر ہوا
 اے ترمی چشمِ جہاں ہیں پر وہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنکامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتیِ مسکین، و 'جانِ پال' و 'دیوارِ تسم'،
 علمِ موسیقی بھی ہے تیریے سامنے حیرتِ فروش
 چھوڑ کر اباویاں رہتا ہے توحیِ انور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

۲۸۴
 بانگِ درا
 ۲۶۸

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے

اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش

ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویرینہ چاک

نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

گرچہ اسکندر رہا محسوسم آپ زندگی

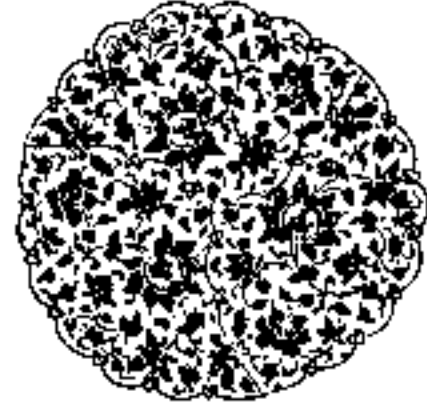
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ

خال و نخوں میں مل رہا ہے ترخان سخت کوش

اگل ہے، اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے



۲۸۵
باقی رہا
۲۶۹

جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوتے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو بجتی ہے جب فضائے دشت میں بانابِ حیل
ریت کے کیلے پہ وہ اُچھو کا بے پروا حنہ رام
وہ حشر بے برل و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پاپِ سنگِ گامِ سج
یاں یاں بامِ کردوں سے جسے حسینِ حیریل
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ حلیل

۲۸۶

بانابِ حیل

۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پرستام کا رواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سوداے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں ٹونجیہ سیر کشت و خیل
 پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اسے بے خبر رازِ دواہم زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
 جاوہاں پیہم دواں ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر رہے زندگیوں میں ہے
 ستر آدم ہے، خمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر تویشہ و سنبھڑاں سے زندگی
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم اب
 اور آزادی میں بسر بے کراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزمِ ہستی سے تو ابھر اسے مانندِ حباب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پُختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکرِ خالی میں جہاں پیدا کرے
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
 اور خاکِ تر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

۲۸۸

بانگرے را

۲۷۲

زندگی کی قوت پنہاں کو کروے آشکار
 تا یہ چنگاری فرغ جاوےاں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جلتے مثالِ آفتاب
 تابخشاں پھر وہی غسلِ گراں پیدا کرے
 سوتے کروں نالہ شبِ کبیر کا بھیجے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے

یہ لکھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتِ نفل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

ابستاقوں تجھ کو رمزِ آیتِ اِنِّ الْاِنْسَانَ
 سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ال جاو لری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوسِ مومِ الر
 پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

۲۸۹
 بانگِ درا
 ۲۷۳

جاوے محسوس کی تاثیر سے چشمِ ایاز
 دیکھتی ہے حلفتِ کردن میں سازِ دلبری
 خونِ اسرِ ایل آجاتا ہے آئینہ جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی مٹوئی طلسمِ سامری
 سرورِی زیبا فقط افسانے بے ہمتا کو ہے
 حکمراں ہے اک وہی باقی بُتِ انِ ازری
 از عنلامی فطرتِ آزاد را رسوا کن
 تا تراشی خوابِ اے از برہمنِ کافر تری
 ہے وہی سازِ لہنِ مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری
 دیوِ استبدادِ جمہوری قبایں میں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلسِ امن و اصلاح و رعایات و حقوق
 طپتِ مغرب میں مزے میٹھے اثرِ خوابِ آوری

۲۹

بانگِ درا

۲۴۲

گر مئی کُفتارِ اعضائے مجالس، الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زر مری
 اس سرابِ نیک و نیکو کا رستاں سمجھا ہے تُو
 اہلے ناداں! قفس کو اشیاں سمجھا ہے تُو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب کمرِ اسن مڑے
 خضر کا پینام کیا ہے یہ پیغامِ کائنات
 لے کہ تجھ کو کھالیا سرمایہ دارِ حیدر
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملکِ تیری برات
 دستِ دولتِ آفسرین کو مزدوریوں ملتی رہی
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برلِ شیش
 اور تُو لے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

۲۹۱
 بانگِ درا
 ۲۷۵

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
 خواجلی نے خوب چُن چُن کے بندے مسکرات
 لٹ مَرا ناواں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سُکر کی لذت میں تُو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چپالوں سے بازمی لے لیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اُٹھ کہ اب بزمِ حُماں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو دیا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سراں غافل تھے دامن میں شبنم لبِ تلک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم لبِ تلک
 افتاب تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا نام لبِ تلک

۲۹۲

باقی رہا

۲۶۶

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوہری جنت سے روتی چشمِ آدم کب تک
باغبانِ چارہ مندرے سے یہ کہتی ہے بہا
زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مریم کب تک
کرکابِ ناداں ابطوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تحتلی زار میں آباد ہو

دُنیا سے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترکِ عرب کی آستان
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سنا
لے لے تھلٹ کے فرزندِ میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن لٹی خالِ حجاز
ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ زنا
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

۲۹۳
ہاتفِ دریا
۲۹۴

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس
 وہ مے کشِ حرارت جس کی ہے عینِ کلدان
 حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے کان
 ہو گیا مانسِ آبِ ازاں سماں کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے رن
 گفتِ رومیؒ ہر سب سے لہنہ کا باداں کسند
 می ندانیؒ ”اول اں بنیاد را ویراں کسند“
 ”ملک ہاتھوں کی کیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں“
 حق ترا چشمے عطا کر دستِ غافل درنگر
 موسیٰؑ کی کدائی سے تو بہتر ہے شلست
 نورِ بے پر! عابِ حقے پیشِ سلیمانے مہر
 ربط و ضبطِ ملتِ مضرب ہے مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

۲۹۴

بانگِ درا

۱۲۷۸

پھر سیاست چھوڑ کر داخل صبا دیں میں
 ملک و دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹ
 ایک ہوں سلم حرم کی پاسبانی کے لیے
 نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ مال کا شجر
 جو لڑے گا امتیازِ رنگ و خونِ مٹ جانے کا
 شکرِ حسن کا پی ہو یا عسرا بی والا لہر
 نسلِ ارسلم کی مذہب پر مقدم ہو لہتی
 اڑکیا دنیا سے تو مانسہ حال رہ موز

تاحِ خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
 لاکھیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جگر
 اے کہ شناسی خفی را از جلی شیار باش
 اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ شیار باش
 عشق کو سرِ یاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر سرِ یاد کی تاثیر دیکھ

۲۹۵
 یادگارِ رانا
 ۲۹۹

تُو نے دیکھا سٹو سٹ رفتارِ دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب نہجیر دیکھ
 عام حضرت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے سماں آج تُو اُس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حق کستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے آتے نہ لفتار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ فتنہ ہے ال اور بھی لڑوؤں کے پاس
 سامنے تفتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از ارزو آباد وار
 ہر زمان پیش نظر لای خلف المیعاد وار



طلوعِ اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
 افق سے آفتاب ابھرا، کیا دور گراں خوابی
 عرواقِ مُردہ مشرق میں خونِ زندگی وڑا
 سمجھ سکتے نہیں اس ازلو سینا و منارابی
 سماں کو سماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
 تلاطم ہاتے دریا ہی سے ہے کوہِ سیرابی
 عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والے
 شکوہ ترکِ سانی، نوہنِ ہندی، نطقِ عربی
 اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بے طبعی!
 ”نوارِ تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“
 تڑپِ صحنِ چمن میں، اشیاں میں شاخساروں میں
 جدا پائے سے ہو سکتی نہیں تفتِ یرسیابی

۲۶۷
 بانگِ سحر
 ۲۸۱

وہ چشمِ پاک ہیں کیوں زینتِ برستواں دیکھے
 نظر آتی ہے جس کو مردِ عسّازی کی جلد تابی
 خمیرِ لالہ میں روشن چراغِ ارزو کرے
 چمن کے ڈرے ڈرے کو شہیدِ جستجو کرے
 سرِ شامِ چشمِ سلم میں ہے نیاں کا اُتر پیدا
 خلیل اللہ کے دریا میں ہوں کے پھر لہر پیدا
 کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ ہندی ہے
 یہ سانچ ہاشمی کرنے کو ہے پھر رب و بر پیدا
 رب و اس ترک شیرازی دلِ تبریز و کابل را
 صبا لرتی ہے بوئے گل سے اپنا سہم پیدا
 اگر عثمانیوں پر لوہِ عنہم ٹوٹا تو کیا عنہم ہے
 کہ خونِ صمد ہزارِ انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
 جہاں بانی سے ہے دُشوار تر کارِ جہاں بینی
 جگرِ نوحں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۴۸

بانگِ درا

۲۸۲

ہزاروں سال زکس اپنی بے نورمی پڑتی ہے
 بڑی شکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پر پیدا
 نوایر اچھے بیل کہ ہوتیرے ترنم سے
 کہو تر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہرے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہرے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تُو، رہاں تُو ہے
 یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب کہاں تُو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی لہر راہ ہوں، وہ کارواں تُو ہے
 مکان فانی، مہکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے
 حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
 ترمی نسبت براہی می ہے معمار جہاں تُو ہے

۲۹۹
 مانگے را
 ۲۸۲

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جو ہر عنصر کا گویا امتحان تو ہے
 جہاں اب کل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ امتحان تو ہے
 نیکی سے گزشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گاتجھ سے کامِ ذیالی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 اخوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں لم ہو جا
 نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاخسارانِ صحبتِ مرغِ چین لبِ تہ
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

بانگِ درا
 ۲۸۲

لکھن آباد ہستی میں یہ تیں مرد سدا کا
 بیاباں کی شب تاریک میں قندیل بہانی
 بٹایا قصہ سر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ کیا تھا، زور حیدر، فقر نوؤں، صدق سلمان
 ہوئے احرار ملت جاوہ پیا کس تختل سے
 تماشا شائی شکافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثباتِ زندگی ایمانِ کلم سے ہے دنیا میں
 کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے ثورانی
 جب اس انکارِ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روحِ الہ میں پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو ذوقِ ہستی پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
 نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

۳۰۱
 مانگے رہا
 ۲۸۵

ولایت، پوشا پی، علم اشیا کی جہاں لیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال کحت ایماں کی تفسیریں
 براہی ہی نظر پیدا کمر شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ و افتا فساد اوستے
 حذر اے چیرہستان! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت اس کے سرے کی حاکم کی ہول نور می
 لہو خورشید کاٹنے کے ارفے کا دل چیریں
 یقین حکم عمل چم محبت فاتح عالم
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی ششیریں
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
 دل کرے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے
 عتابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے

۳۰۲
 بانگ درا
 ۲۸۶

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرے والے
 طمانچے موج کے کھلتے تھے جو بن کر لہر نکلے
 غبارِ رہ لہر ہیں، کسمپاس پر ناز تھا جن کو
 جبینِ خال پر رکھتے تھے جو، اسیر نکلے
 ہمارا نرم رُفتِ صدفِ پیامِ زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
 سرمِ رسوا ہوا پیرِ سرمِ لیلمِ نکاحی سے
 جوانانِ تزاری کس رستہ صاحبِ نظر نکلے
 زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے
 یقینِ اسرار کا سیرِ تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ لہرِ ملت ہے

۳۰۲
 بانگِ درا
 ۲۸۷

تُو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا رازِ واں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انسان کو
 اُخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ پندی وہ شہِ اسانی، یہ اُفتِ انی وہ تُو رانی
 تُو اے شہِ مندرہ ساحل! اُچھل کر بے لراں ہو جا
 عباۃ اللوۃ زلفِ نسب ہیں بال و تریسے
 تُو اے مُرنغِ حرم! اُڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سترِ زندگانی ہے
 نکل کر حلفتِ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
 مصحفِ زندگی میں سیرتِ فولاؤ پیدا کر
 شبستانِ محبت میں حیر پر نیاں ہو جا
 گزر جا بن کے سیلِ شند کو لوہہ بیاں کے
 گستاہ میں آئے تو جوئےِ نغمہ خواں ہو جا

۳۰۴

بانگ درا

۲۸۸

ترے علم و محبت کی نہیں ہے آہ کا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے

قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکار ہے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی

یہ ستاعی ملر جھوٹے نلوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرومند ان مغرب کو

پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے

تدبیر کی فسوں کاری سے محکم نہ ہو سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا ساری دار ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے

خروش اس سوز بیل ہو، کمرہ غنچے کی والرو کے

کہ تو اس گلستاں کے واسطے باد بہار ہے

۲۰۵
بانگ درا
۲۸۹

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنکاری محبت کی
 زمیں جولاں کہ اسلس قبایق تار می ہے
 بیا پیدا خنریدارست جان ناتوانے را
 ”پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را“
 بیا ساقی نوالے مرغزار از شاخار آمد
 بہار آمد نگار آمد، نگار آمد و تر آمد
 کشید ابر بہار نمی خیمہ اندر وادی صحرا
 صدائے ایشیا راں از منہ از کوہ ہزار آمد
 سرست کردم تو ہم قانون پیش ساز وہ ساقی
 کہ خیل نعلین پر و از ان قطار اندر آمد
 کنار از زاہد اں بر کسب و بے باکانہ ساعش
 پس از مدت ازین شاخ لہن بانہ ہزار آمد
 بہشتا قان حدیث خجستہ بدروین اور
 تصرف ہے پنہانش بحشم لشکار آمد

۲۰۶
 بانگ درا
 ۲۹

وگر شاخِ خلیل از خونِ مانم ناک می‌کند
 بزار محبتِ نقدِ ماکل عیارند
 سرِ خالِ شہید دے برل ہاے لالہ می‌پاشم
 کہ خوش بانسِ الِ ملتِ ماسازگارند

”سیا تا کل بنفشہ نسیم و دریا غرا اندازیم
 فلک استقف بشکاف نسیم و طرح و میرا اندازیم“



بانگِ درا

۲۹۱

[illegible]

عزلیات



اے باوصہ سببا! کہلی وائے سے جا لہو پیغام مرا
 قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی کیا، دنیا بھی لٹی
 یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لب ساحل نے دیا
 ہے دُور وصال بھرا بھی، تُو دریا میں کھسبرا بھی لٹی
 عزت ہے محبت کی قسائم اے قیس! حجابِ محل سے
 محل جو کیا عزت بھی گئی، غیرت بھی لٹی، لیدا بھی لٹی
 کی ترک تک دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی
 اوار کی فطرت بھی لٹی اور شکش دریا بھی لٹی

۳۰۹
 بانگ درا

۲۹۳

نکلی تو لب اقبال سے ہے، کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی لیتی، دل محفل کا تڑپا بھی لیتی



یہ سر و قمری بوسل فریبش ہے
تیرے پیمانوں کا ہے یہ لے مے مغرباثر
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے
خند زن ساقی ہے ساری انجمن کے چوش ہے
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
اہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے
زندگی کی رہ میں حل لکین فریبچ لے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار ووش ہے

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوتے
اہ! لب اقبال! وہ بوسل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بوسل شوریدہ ترا خام بھی
پنختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور راتھام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
بے خطر کو دپڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محتما شائے لب بام بھی

۲۱۰
بانگ درا
۲۹۴

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزادی و دہرا شوبی
 عذریہ پر پیر کیست ہے بجز کر ساقی
 سعی سیم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تنگ بخشی شبنم کب تک
 باوہ کردان عجم و عربی میری شراب
 عقل سمجھی ہی نہیں سنی پیغام بھی
 تو ہے تار می بست خانہ ایام بھی
 ہے ترے دل میں ہی کاوشِ انجام بھی
 تیری میزراں ہے شمارِ شام بھی
 مرے نسا کے لالے ہیں تہی جام بھی
 مرے سانغ سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

خبر اقبال کی لائی ہے طہاس سے نسیم
 نو گرفتار پھر کت ہے تہ و ام بھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چشم پہاں کتب
 نفسِ مرم کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ در نوزہ لری مثلِ کلیم
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم
 چشم مہر و مہ و انجم کو تماشا سانی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسانی کر
 تیرے سینے میں لکھ ہے تو مسیحائی کر
 اپنی ہستی سے عیاں شعاعِ سینائی کر
 دل کو بیگناہ اندازِ کلیسائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر
 پہلے خود دار تو مانندِ سگندِ ہولے پھر جہاں میں ہو س شکستِ دارائی کر
 مل ہی جائے گی بھی منزلِ لیلیٰ اقبال! کوئی دن اور ابھی باویہِ پیائی کر



پھر بادِ بہار آئی، اقبال غزل خواں ہو غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو
 تو خال کی مٹھی ہے اجڑا لی حرارت سے برہم ہو پریشان ہو، وسعت میں بیاباں ہو
 تو جنسِ محبت ہے قیمت ہے لڑائی تیری کم مایہ ہیں سو الڑائیں میں ارباباں ہو
 کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری تو نغمہ زنجیں سے ہر گوشِ غیبیاں ہو
 اے ہر وقت نراندہ راستے میں اگر تیرے گلشن ہے تو شبنم ہو صحرا ہے تو طواں ہو
 ساماں کی محبت میں ضم ہے تنِ آسانی مقصد ہے اگر منزلِ غارت لہرِ ساماں ہو



کبھی اے حقیقتِ غنظرِ انظرِ الباسِ محالیں کہ ہزاروں سجدے ٹپ رہے ہیں جہینِ نیازیں

۳۱۲
 یادِ گہرا
 ۲۹۹

طرب آشنائے غروبِ شمس ہو، تو نوائے محرمِ خوش
 تو بچا بچکے نہ رکھ اسے ترا آئندہ ہے وہ آئندہ
 دمِ طوفِ کماشِ مع نے یہ کہا وہ اثرِ کفن
 نہ کہیں جہاں میں اناں ملی جو اناں ملی تو کہاں ملی
 نہ وہ عشق میں رہیں مہیا نہ وہ حسن میں رہیں شہیا
 جو میں سرسبز رہا ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صہنم آشنائے تجھے کیا ملے گا نماز میں



تہ دام بھی غزل آشنائے طراں چن لیا
 ترا جلوہ کچھ بھی سبلی دلِ ناصبور نہ کر سکا
 نہ خدار ہا نہ صہنم رہے نہ قریبِ یہ و حرم رہے
 مرا سازِ الرچہ ستم رسید زخمِ ہائے عجب ستم
 وہ شہیدِ فوق و فاعلوں میں نوا مرئی ملی رہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اہمال کی بنیاد رکھ
اے سلسلاں! ہر لہری پیشِ نظر آیہ ”لَا يُخْلِفُ الْمُسْلِمُ“ رکھ
یہ لسانِ معصومِ کریم ہے
”إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ“ یاد رکھ



۳۱۲
بانگِ درا
۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں ٹپھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشن مغربی ہے مدِ نطنہ وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پروہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پروے کے کوئی حامی ہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
عظیم سنہ ٹو دیا کل آپ نے یہ صاف صاف پروہ آخر کس سے ہو جب مروہی زن ہو گئے

۳۱۵
بانٹے در
۲۹۹

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے کی
اتک ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے اوٹ چاہے کی

تعلیم مغربی ہے بہت جرات آسریں پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
بستے ہیں ہند میں جو خسیہ ارپی فقط آغا بھی کے آتے ہیں اپنے وطن سے چینک
میرا یہ حال، بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں اُن کا یہ حکم، دیکھ! مرے فرش پر نہ رینک

لکھنے لکے کہ اوٹ ہے بھڑاسا جانور
اچھی ہے کٹے رکتی ہے کیا نول واریہ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظم ہیں تنگ دست تہذیب کے سامنے سر پناہ کم ہیں
رو بہرہ میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ مست کم ہیں

تہذیب کے مرض کو گولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶
بانگ درا
۳۰۰

تھے وہ بھی نہ کہ خدمتِ استاذ کے عوض دل چاہتا تھا وہ یہ دل پیش کیجے

بدلانہ زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کستہ ہے ماسٹر سے کہ دل پیش کیجئے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کت تک چھتریاں، رُومال، منظر، پیرچہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت ازلت ازل ہی آئیں گے غسال قابل سے لفظن جاپان سے



ہم مشرق کے سکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے والٹنٹرب لمبری میں ٹاں ایک پرانا مشکا ہے
اس فور میں سب سے مل جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا جو قائم اپنی راہ ہے اور پکا اپنی نہٹ کا ہے
ایسے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں کروں گے کتنی بلندی ان قوموں کو دے چکا ہے

یا ماسم پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی سے بڑا قرمانی یا مشکا ہے



”اھلِ شہود شاہد و مشہود ایک ہے“ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

۳۱۷
مانگے در
۳۰۱

کیوں اے جناب شیخ! سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبے الوں سے کل اہل دیر کیا
ہم پوچھتے ہیں سلم عاشق مزاج سے
اُلفت بتوں سے ہے تو برہمن سے سیر کیا

ہاتھوں سے اپنے دہن دُنیا نکل گیا
قانونِ وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی
پوچھو تو وقف کے لیے ہے جاتا دھبی!

وہ سن لی ارادہ خوئی کا جب کیا میں نے
نہ جرات ہے نہ خیر ہے تو قصہ خوئی کیا
مہذبے تو اے عاشق! قدم باہر دھر سے
یہ مانا درونا کامی کیا تیرا لڑھ سے
کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقدِ ولواؤ
کراتے پر منگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
مغرب میں ہے جہازِ سیاہاں شتر کا نام
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
شکر کوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خبرِ حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی سال کا

۳۱۸
بانٹے رہا
۳۰۲

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اب اُمرا بھی سوال کا

ممبری اسپیریل کنسل کی کچھ شکل نہیں
وٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟
میرا خائب خدا بخشے، سجا فرمائے
”ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں کھائیں گے کیا“

دلیل مہر و وفا اس کے بڑھ کے کیا ہوگی
نہ چہ حضور سے اُلفت تو یہ ستم نہ ہمیں
مُبصر ہے حلقہ کمیٹی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے ظلم کو بھانپ لیں تو ہمیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے گی
وہ مہربان ہیں اب پھر ہیں نہیں رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی اتھیں

مشاکشتی بے حس طبع فرماں ہیں

کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو بہیں

فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
کفار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 سن لے کر ہے کوشش مسلمان کا حق نبوش
 اک باوہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
 جس کے لیے نصیحت اعطی تھی بار کوش
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارتِ سامان خورد و نوش
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں علم کو بھی مے فروش

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کتب
 شیشہ و پس کے عوض جام و سبوتیتا ہے
 ہے مداوائے جنوں شہر تعلیم جدید
 میرا سر جن رل ملت سے لہو لیتا ہے

گائے اک دوز ہوئی اُونٹ سے یوں گرم سخن
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے مہا
 ہند میں آپ تو از روئے سیاست میں اہم
 ریل چلنے سے مکروشتِ عرب میں سیکا
 کل ملک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
 تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ چھلاتے زہا
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا آئندہ دل میں وہ دیرینہ غبا

۳۲۰

بانڈے را

۳۰۲

جب تیرے رُسنی اونٹ نے شربا کے کہا
 رشک صد غمزه اُشتر ہے تیری ایک کلیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 کو سفند و شتر و کاو و پلنگ و خرننگ
 باغباں ہو سبق آموز جو لیرنگی کا
 دے ہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی
 ہے تیرے چاہنے والوں میں سہارا بھی شہما
 ہم تو ہیں ایسی کلیوں کے پرانے سیا
 بے بانوں میں بھی پیدا ہے اق لفتار
 کچھ کچھ پاس نہیں چارابھی لھاتے ہیں اوصا
 ایک ہی رنگ میں نکھیں تو ہے اپنا وقا
 ہمزباں ہو کے رہیں کیوں نہ طیور گلزار
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفتا بھی شہر

”دلِ حلقہ بچہ از زوہ شیش رنگیں کن
 وانگش مست و خراب از رہ بازار سیا“



رات پھرنے کہہ یا مجھ سے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہ لہو
 جبر اپنی ناتسامی کا
 صدمہ شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار نے رحمت
 پی کیا سب لہو اسامی کا

۳۲۱
 بانگ درا
 ۲۰۵

یہ آئیہ نوجہیل سے نازل ہوئی مجھ پر
لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیستا
کیا خوب ہوئی اشتی شیخ و برہمن
اس جنک میں آخر نہ یہ ہار نہ وہ جیستا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
مسجد نے نکلتا نہیں ضدی ہے سیستا

جان جائے ہاتھ سے جائے زست
ہے یہی اک بات ہر مذہب کا ثبوت
چٹے ایک سی تھیل کے ہیں
سانپو کا رمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و سترایہ دنیا میں صفا آہ کوئے
دیکھے ہوتا ہے کس کس کی متاؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے فیتہ آشوب خیز
نہیں تھا تو قد لٹ شتم یہ شمع جھون
کھل گئے یا جوج اور با جوج کے شکر تمام
چشم مسلم و عیہ لے تفسیر حرف نیلون

شام کی سرحد رخصت ہے وہ زندلم نزل
رکھ کے میخانے کے قاعدے بالائے قی

۳۲۲

بانگ درا

۳۰۶

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام
 زنا کا آل پل میں لجاتا ہے یہ نیلی واق
 حضرت لڑن کو اب نہ مٹاوا ہے ضرور
 حکم بڑا ہی کے معنے میں ہے بڑا لطاف
 وفد ہندستان سے کرتے ہیں سرغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟

تکرات تھی مزارع و مالک میں ایک روز
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے میں
 کہتا تھا وہ کہ جو زراعت اسی کا طہیت
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
 پوچھا میں سے میں نے کہ ہے کس مال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
 جو زیر آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
 نئی تہذیب کے انڈے ہیں سے
 انکشن مہربانی، کنسل، صدارت
 بنائے خوب ازاد می نے پھینکے
 میاں بخار بھی پیلے گتے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا ہے مالک مَرَدِ ناکارہ کا
عیش کا پتہ ہے محنت ہے اسے ساز کا
حکیم حق ہے نہیں لڑا نساں الا ماسعی
لکھتے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑی

سنا ہے میں نے کل لکھتو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا
مگر کرنے کیا خوب نسل لان ہوا
کوئی اس شہر میں کب نہ تھا سڑی اروس کا

مسجد بنادی شہر میں سماں کی حرارت اٹانے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں مازی بن سکا
کیا خوب نصیر میل کو سنو سی نے پیغام دیا
تو نام اوس کا جہاز ہے پر دل کا جہاز بن سکا
ترا نکھیں تو جاتی ہیں پر کیا لذت اس نے
جب بن جبر کی امیرش کے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا پیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عین مازی تو بنا کر دار کا عین مازی بن سکا

۳۲۲

بانگ درا

۳۰۸

بالِ حبریل

۳۲۵
بالِ حبریل

اقبال

بال جبریل
نفس منہ

اُمّہ کہ خدیجہ لاس مانِ سفر تازہ کریں
نفس کو خیر و شام کو بحر تازہ کریں

ایک

۳۲۶
بال جبریل
۲



۳۲۷
بالِ جبریل
۳

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سحر تازہ کریں
نفسِ سوختہ شام و سحر تازہ کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری نور سے شوق سے شورِ حرمِ ذات میں !

منزلِ اے الاماں بستکہ صفاست میں !

حورِ دوزخستہ میں اسیرِ سرِ تقدیر میں

مری نگاہ سے غلِ تری بقیات میں !

گرچہ ہے مری جستجو دیرِ حرم کی نقشبند

مری فغاں سے رنجِ کبر و سونات میں !

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود

گاہ الجھنے لگی سے تو بسات میں !

تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محبِ بھی شکر کردیا

میں ہی تو ایک رازِ حاسیہ مانا میں !

۳۲۸

بالِ جبریل

۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- | | | |
|--------|---|---|
| ۳۲۵/۲۱ | ۱ | میری نوائے شوق سے شورِ حریمِ وادست میں |
| ۳۲۶/۲۲ | ۲ | الرجزِ زوہیں اُجسم، آسماں تیرا ہے یا میرا |
| ۳۲۷/۲۳ | ۳ | گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر |
| ۳۲۸/۲۴ | ۴ | اثر کرے نہ کرے، حسن تو لے مری فریاد |
| ۳۲۹/۲۵ | ۵ | کیسا عشق ایک زندگی ستعار کا |
| ۳۵۰/۲۶ | ۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ آخرِ دل نہ بن جائے |
| ۳۵۰/۲۶ | ۷ | دلگروں سے جہاں تاروں کی کرشمہ تیرے ساقی |
| ۳۵۱/۲۷ | ۸ | لا پھر اک بار وہی باوہ و جام لے ساقی |

۳۲۵
بالِ جبریل
۵

- ۳۵۲/۲۸ ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم سن تو
- ۳۵۲/۲۸ ۱۰ ستارے بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
- ۳۵۳/۲۹ ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ
- ۳۵۲/۳۰ ۱۲ خمیرِ لالہ میرے غسل سے ہوا لبِ ریز
- ۳۵۲/۳۰ ۱۳ وہی سیر کی کمنصیبی، وہی تیری بے نیازی
- ۳۵۵/۳۱ ۱۴ اپنی جولاں گاہِ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
- ۳۵۶/۳۲ ۱۵ اک دانش نورانی، اک دانشِ بربانی
- ۳۵۶/۳۲ ۱۶ یارب! یہ جہاں کزراں خوب ہے لیکن
- غزلیات (حصہ دوم)

- ۳۵۹/۳۵ ۱ سہا سکتا نہیں ہیں تے فطرت میں مرا سودا
- ۳۶۳/۳۹ ۲ یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و شادانِ گیز
- ۳۶۴/۴۰ ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا لیا ہے جنوں
- ۳۶۵/۴۱ ۴ عالمِ آب و خال و باد، سترِ عیاں ہے تو کہ میں
- ۳۶۵/۴۱ ۵ تو ابھی رہ کزریں ہے، قیدِ مستام سے کز

۳۳۰
بالِ جبریل
۶

- ۶ امین راز ہے مردانِ حُسر کی درویشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہِ دامن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لہو میں ہے سیدِ قہرِ دل نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ دم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے، نگہِ پاک نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں جو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ نوجھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرنگی، دلِ وطن سے کاجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و روتی، دل بیدار کڑی ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی ٹھنڈی میں کب بفرما نہیں ۳۷۱/۴۸
- ۱۶ میرِ سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ صف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں کرجہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کمالِ ترک نہیں اسبِ گل سے مجھوری ۳۷۵/۵۱

۳۳۱
بالِ حبیبیل

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دُور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ جس کے کونے کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے کئی ہے مجھے بادِ صبح کا ہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	ترمی نگاہِ سند و مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فست میں شانِ سکندر می کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اے اسیرِ مہکاں! لامکاں سے دُور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	انلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھِ خودِ نسانی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے

۳۳۲
بالِ جبریل

۳۸۵/۴۱	۳۴	جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آکاہی
۳۸۶/۴۲	۳۵	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
۳۸۶/۴۲	۳۶	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
۳۸۷/۴۳	۳۷	فطرت کو حسد کے زور پر و کر
۳۸۸/۴۴	۳۸	یہ سپہ سالارِ کلیسا و حرم اے واے مجبوری
۳۸۹/۴۵	۳۹	تازہ پھر و نیشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
۳۸۹/۴۵	۴۰	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۳۹۰/۴۶	۴۱	ٹھونڈ رہا ہے فرنک عیشِ جہاں کا دوام
۳۹۱/۴۷	۴۲	خودی جو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
۳۹۲/۴۸	۴۳	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
۳۹۲/۴۸	۴۴	سادتہ وہ جو ابھی پروہ افلاک میں ہے
۳۹۳/۴۹	۴۵	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی
۳۹۳/۴۹	۴۶	جوانہ زور سے اس کے کوئی کرسیاں چاک
۳۹۴/۵۰	۴۷	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ بریادانہ

- ۳۹۵/۷۱ نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے ۴۸
- ۳۹۵/۷۱ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک ۴۹
- ۳۹۶/۷۲ کریں گے اہل نطنہ تازہ بستیاں آباد ۵۰
- ۳۹۶/۷۲ کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی ۵۱
- ۳۹۷/۷۳ نے مُسَرِّباتی نے مُسَرِّبازی ۵۲
- ۳۹۷/۷۳ کرمِ حسن ہے جُرس، اُمٹھ گلیہ قافلہ ۵۳
- ۳۹۸/۷۴ ہری نواس سے ہوئے زندہ عارف و عامی ۵۴
- ۳۹۹/۷۵ ہر اک معشام سے آگے گزریا سہ نو ۵۵
- ۳۹۹/۷۵ لکھو نہ جا اس سحر و سام میں اے صاحبِ ہوش ۵۶
- ۴۰۰/۷۶ تھا جہاں مدرسہ شیریں و شاہنشاہی ۵۷
- ۴۰۱/۷۷ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ ۵۸
- ۴۰۱/۷۷ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ ۵۹
- ۴۰۲/۷۸ کمالِ جوشِ جنوں میں رہا میں کرمِ طواف ۶۰
- ۴۰۲/۷۸ شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب ۶۱

۳۳۳۳
بالِ جبریل

قطرہ (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

زُبا عیادت

- ۱ ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے ۳۳۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و فن کر ۳۳۹/۲۵
- ۳ رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۲۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ نصل جا ۲۰۵/۸۱
- ۵ مکانی ہوں کہ آزادِ مسکن ہوں ۲۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسرتوں میں گم رہا میں ۲۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کاروبارِ آشنائی ۲۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۲۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ جسم ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میسری نے نوازی ۲۰۷/۸۳
- ۱۱ ہر اک فترے میں ہے شاید مکھیں دل ۲۰۷/۸۳

۳۳۵
بالِ جبریل
۱۱

- ۱۲ ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۳ نہ مومن ہے نہ مومن کی آسیری ۲۰۸/۸۴
- ۱۴ خودی کی جستجو میں مصطفیٰ نائی ۲۰۸/۸۴
- ۱۵ نگہ ابھی چھوٹی ہے رنارنابو میں ۲۰۸/۸۴
- ۱۶ جمالِ عشق وستی نئے نوازی ۲۰۸/۸۴
- ۱۷ وہ سیرا رونقِ محسن کجاں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۱۸ سوارِ ماتہ و محمل نہیں میں ۲۰۹/۸۵
- ۱۹ ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۲۰ ترا جوہر ہے نورِ پاک ہے تو ۲۰۹/۸۵
- ۲۱ محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۲ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ۲۱۰/۸۶
- ۲۳ چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۴ حسد سے راہِ روشن بھر ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۵ جوانوں کو مری آؤ حسد سے ۲۱۱/۸۷

۳۳۶
بالِ جبریل

۱۲

۲۱۱/۸۷	۲۶	ترمی دُنیا جہاں مُرغ و ماہی
۲۱۱/۸۷	۲۷	کرم سیرالہ بے جوہر سیں میں
۲۱۱/۸۷	۲۸	وہی اصل مسکن و لامسکن ہے
۲۱۲/۸۸	۲۹	کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
۲۱۲/۸۸	۳۰	کبھی تنہائی کوہ و دہن عشق
۲۱۲/۸۸	۳۱	عطا اسلاف کا جذبِ دروں فر
۲۱۲/۸۸	۳۲	یہ تہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
۲۱۳/۸۹	۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
۲۱۳/۸۹	۳۴	خدا کی آہستہ خام خشک و تر ہے
۲۱۳/۸۹	۳۵	یہی آدم ہے سلطانِ بحر و بر کا
۲۱۳/۸۹	۳۶	دمِ عارف نیم صبح دمِ ہے
۲۱۴/۹۰	۳۷	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
۲۱۴/۹۰	۳۸	کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی
۲۱۴/۹۰	۳۹	زمانے کی یہ گردشِ باوانہ

۴۱۴/۹۰

۴۰. حکیمی ہمسلمانی خودی کی

۴۱۵/۹۱

۴۱. ترا تن روح سے نا آشنا ہے

۴۱۵/۹۱

قطعہ اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا

منظومات

۴۱۷/۹۳

۱. دعا

۴۱۹/۹۵

۲. مسجد شریطہ

۴۲۸/۱۰۲

۳. قید خانے میں مستبد کی فریاد

۴۲۹/۱۰۵

۴. عبد الرحمن اوّل کا بویا ہوا کھجور کا

پہلا درخت — سرزمین اندلس میں

۴۳۰/۱۰۶

۵. چسپانیہ

۴۳۲/۱۰۸

۶. طارق کی دعا

۴۳۳/۱۰۹

۷. لینن (خدا کے حضور میں)

۴۳۶/۱۱۲

۸. فرشتوں کا لیت

۳۳۸

بال جبریل

۱۲

۴۲۸/۱۱۴

۴۲۲/۱۱۸

۴۲۳/۱۱۹

۴۲۲/۱۲۰

۴۲۵/۱۲۱

۴۲۵/۱۲۱

۴۲۶/۱۲۲

۴۲۷/۱۲۳

۴۲۸/۱۲۴

۴۲۸/۱۲۴

۴۵۰/۱۲۶

۴۵۸/۱۳۲

۴۶۰/۱۳۶

۹ ذوق و شوق

۱۰ پروانہ اور جنگنو

۱۱ جاوید کے نام

۱۲ کدائی

۱۳ نغلا اور بہشت

۱۴ دین و سیاست

۱۵ الارض للہ

۱۶ ایک نوجوان کے نام

۱۷ نصیحت

۱۸ لالہ صحرا

۱۹ ساقی نامہ

۲۰ زمانہ

۲۱ فرشتے آوم کو جنت

سے رخصت کرتے ہیں

۳۳۹
بال حبیب
۱۵

۲۶۰/۱۳۶

۲۲ رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۲۶۲/۱۳۸

۲۳ پیر و مرید

۲۶۳/۱۳۹

۲۴ جبریل و ابلیس

۲۶۵/۱۵۱

۲۵ اذان

۲۶۶/۱۵۲

۲۶ محبت

۲۶۶/۱۵۳

۲۷ ستارے کا پیغام

۲۶۶/۱۵۳

۲۸ جبریل کے نام

۲۶۸/۱۵۳

۲۹ فہرستِ مذہب

۲۶۹/۱۵۵

۳۰ یورپ کے ایک خط

۲۶۹/۱۵۵

۳۱ نیپولین کے مزار پر

۲۸۰/۱۵۶

۳۲ مسولینی

۲۸۲/۱۵۸

۳۳ سوال

۲۸۲/۱۵۸

۳۴ پنجاب کے دوہقان سے

۲۸۳/۱۵۹

۳۵ نادر شاہ افغان

۳۲۰
بالِ جبریل
۱۶

۲۸۴/۱۴۰	۳۶ خوشحال خاں کی وصیت
۲۸۴/۱۴۰	۳۷ تاتاری کا خواب
۲۸۶/۱۴۲	۳۸ حال و معیت ام
۲۸۶/۱۴۲	۳۹ ابوالعلا معری
۲۸۸/۱۴۴	۴۰ سنیا
۲۸۸/۱۴۴	۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے
۲۸۹/۱۴۵	۴۲ سیاست
۲۹۰/۱۴۶	۴۳ فطر
۲۹۰/۱۴۶	۴۴ خودی
۲۹۱/۱۴۷	۴۵ جذباتی
۲۹۱/۱۴۷	۴۶ خانقاہ
۲۹۲/۱۴۸	۴۷ ابلیس کی عرصہ داشت
۲۹۳/۱۴۹	۴۸ لہو
۲۹۳/۱۴۹	۴۹ پرواز

۳۴۱
بال جبریل
۱۷

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتب سے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	بانغی مُرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۶/۱۴۳	۵۵	ماہر نفسیات سے
۲۹۶/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور خچر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چیونٹی اور عتاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُنغاں نے)



۳۲۲
بالِ جبریل
۱۸

۳۳۳۳
بالِ حبریل
۱۹

عزلیہ

مچھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مروِ ناداں پر ظلم نرم و نازک بے اثر
(بھرتی ہری)

۳۳۴
بالِ جبریل
۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ فیمات میں
خوہ فرشتہ ہیں اسیرِ سرِ تختِ عیالات میں
کرچے میری جستجوِ دیر و حرم کی نقش بند
گاہ مری نگاہِ یس ز چیرِ کئی دل و جو
غلطیِ نامتِ الاماں بُتِ کدہ صفات میں
میری نگاہ سے غلطیِ تیری تجلیات میں
میری فغاں سے رستخیزِ کعبہِ مہنات میں
گاہُ الجھکے کہ لہتی میرے توہمات میں
تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک از مہا سینہ کائنات میں





اگر کج رو ہیں اسبم آسمان تیرا ہے یا میرا
 مجھے فکر جہان میں ہے، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامہ ہے شوق سے ہے لامکان خالی
 خطا کس کی ہے کیا بے لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 اُسے صبح ازل انکار کی خیرات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازوان تیرا ہے یا میرا؟
 محسوس بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ حرف شیریں تر جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی ملک کی تابانی ہے تیرا جہاں روشن
 زوالِ آدم حن کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تُو مرا ساقی نہیں ہے
 سندر سے ملے پیسے کو شبِ بنم
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



۳۲۶
 بالِ جبریل
 ۲۲



کیسے تائب دار کو اور بھی تائب دار کر
 پوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر
 عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
 یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
 تُو ہے محیطِ بے لراں میں ہوں ذرا سی آنکھ
 یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
 میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
 میں ہوں خُرف تو تُو مجھے کو ہر شاہوار کر
 نعمتِ نوبہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
 اس و ہم سوز کو طائر لب بہار کر
 باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
 کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

۳۲۷
 دالِ حبریل
 ۲۳

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
اپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر



اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
نہیں ہے واد کا طالب یہ بندِ آزا
یُستِ خال یہ صرصرِ یُسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
ٹھہر سکنا نہ ہو اسے چمنِ خمیں سطل
یہی ہے فصلِ بہارِ مری یہی ہے بادِ مرا
قصود از غریب الدیارِ بولسکین
تراحمہ از فرشتے نہ کر کے آبا
مری جفا طَلبی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ فلستانِ جہاں لکھت میں چوسیا

مقامِ شوق ترے قدیموں بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا



۳۴۸
بالِ ہیریل
۲۲



کیا عشق ایک زندگی ستارہ کا کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی چوٹی اُس میں مزا نہیں شیش و ستار کا
میری بساط کیلئے تبتاب یک نفس شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگی بسا دوں عطا پھر فوق و شوق و یحیٰ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لکڑی لالہ وال ہو
یارب وہ درج جس کی لکڑی لالہ وال ہو



دلوں کو مرکز مہر و فن کر
حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نام جویں بخشش ہے تو نے
اُسے بانٹتے حیدر بھی عطا کر

۳۴۹
بالِ حبریل
۲۵



پریشان ہو کے میری خال اخروں نہ بن جائے
جو شکل اب ہے پیار بھڑھڑی شکل نہ بن جائے
نہ لڑیں مجھ کو مجبور نہ افر و س میں جو ریں
مراسوز دُروں بھیر کر بھی نسل نہ بن جائے
کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے اسی کو
لٹھک سی ہو گئے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا حاصل نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے ناک ہو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ دُنب اکہ حاصل نہ بن جائے

عروج اوم نالی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار امہ کامل نہ بن جائے



وگرگوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے قی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی
مستاع دین و نشوونما لٹی اللہ الوں کی
یہ کس کا فراوا کا سنہ زو خوں ریز ہے ساقی
وہی برین بیماری وہی ناکسلی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

۳۵۰
بالِ مہربیل
۲۶

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
 کہ پیدائی تری اب تک حجابِ زیر ہے ساقی
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ اروس کے
 وہی بگلِ ایرانِ و تہی سیر ہے ساقی
 نہیں کیا امیدِ قبّال اپنی کشتِ ویراں سے
 ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیرِ راہ کو بخشے اسرارِ سلطانی
 بہا میری نوا کی دولتِ چو زیر ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہندوئے میخانے بند
 اسباب سے ترافض ہو جام اے ساقی
 مری سینے غزل میں تھی فراسی باقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 رہ لے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 عشق کی تیغ جلدوار اڑالی کس نے
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے پیام اے ساقی
 سید نہ روشن ہو تو ہے مژدہ سخن عین حیا
 ہونہ روشن تو سخن مرلے ام اے ساقی
 تو مری ات کو ہمتا ہے محروم نہ رکھ
 ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

۳۵۱
 بالِ جبریل
 ۲۶



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم سُن تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شورِ چنک و رباب
 کداتے مے کدہ کی شان بے نیازی کچھ
 مرا سب جو غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں حل و لالہ فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الہ اھو
 سکوت کو وہ دل سے جھکے ولالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیاں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتا ہیں خالی ہیں صوفیوں کے لہو
 کہ دل سے بٹھکے ہے سیرنی گاہ بے قابو
 صفائے پالی طہنت سے ہے کس کا ضمور
 نگاہ شاعرِ نکس نوامیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو و سوزِ آرزو مند
 ترے آرزو بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کیسیر ہے آوارہ کوئے محبت کو
 مقام بندگی دے نہ لوں شاخِ خداوندی
 یہاں مرنے کی پابندی ہاں جینے کی پابندی
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے سیرنی یہ پویندی

۳۵۲
 بالِ جبریل
 ۲۸

گزراوقات کر لیتا ہے کیوہ بیاہاں میں
 فیضیاں نظر تھا یا لالتب کی امت تھی
 کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کاراشیاں بند
 رکھائے کس نے اسمعیل کو ادب فرزند
 زیارت کاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوہدی
 مری شاطلی کی لیا ضرورت حسین سنی
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جانب دی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مئے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں رُسے میں
 وہ ادب کہ محبت وہ نیک کا تازیانہ
 نہ ادا اس کے کافرانہ، نہ تر اشیر آزار نہ
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نفس نہ اشیانہ
 کہ عجم کے مے لہو میں رہی ہے مینا
 انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 جلد شہید کیا ہے تب تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ
 ترے بند پروری سکے دن گزر رہے ہیں





ضمیرِ لالہ مے لعل سے ہو البسیر
 اشرافِ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساطِ اپنی
 کیسا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 جہاں وہ چلے ہے مجھ کو لہ ہوا بھی نوخیز
 کسے خبر ہے کہ ہنگامہ نشو و نما کیا
 تری نگاہ کی لڑشس ہے میری رشاخیز
 نہ چھین لذتِ اسچھ کسری مجھ سے
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفاتِ امیر
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل
 صدائے مرغِ حسین ہے بہت نشاطِ گھمیز
 حدیثِ بے خبر اس ہے تو بازمانہ بسا
 زمانہ باتوں بازو تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 مے کام کچھ نہ آیا کیسا ل نے نوازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ کہاں لا مکاں ہے
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کثر شہ ساری
 اسی کشمکش میں لڑیں مری زندگی کی آہیں
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تابِ آبی

۳۵۴
 بالِ جبریل
 ۳۰

وہ فریبیہ شاہیں کہ پلاہو لکڑوں میں
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کے باخبر میں
 اُسے کیا خبر کہ کیا ہے ہر دم شاہی
 کوئی دلکش صدا ہو، عجیبی ہو یا کہ تازی
 نہ فہم نہ سلطنت میں کوئی امتیاز کیا
 یہ سپہ کی تیغ باز ہی وہ نگہ کی تیغ باز
 کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدکس سرم
 کہ اسے کارواں میں نہیں ٹھہرتے دل نوازی



اپنی جولاں گاہ زیر آسمان سمجھا تھا
 بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طسم
 اک جو کل کے طویل ہو اپنا جہاں سمجھا تھا
 اک روائے نیلوں کو آسمان سمجھا تھا
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا
 اس زمین آسمان بے لراں سمجھا تھا
 کہ لہریں از محبت پڑہ دار پہلے شوق
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا
 تھی کسی و ماندہ ہر کی صدائے در و مال

جس کو آوازِ حسیل کارواں سمجھا تھا میں



اک نشنِ نورانی اک نشنِ برہانی
 اس پیکرِ خالی میں اک شے ہے سو وہی
 اب کیا جو فغانِ سری پہنچی ہے ستاروں تک
 نقشِ اکرِ باطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سلکھاوی ہے افراتے زندہ بقی
 تقدیر شکن قوتِ باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے چھی صنم خانے میرے چھی صنم خانے
 یہاں ہے اک نشنِ برہانی حیرت کی سوانی
 میرے لیے مشکل ہے اس شے کی گہمانی
 تو نے ہی سلکھائی تھی مجھ کو غیزل خوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی لہ زبانی؟
 اس دور کے ملا ہیں کیوں نہابِ سلمانی!
 ناداں جسے کہتے ہیں تہمتِ درِ زندانی
 دونوں کے صنم خانی دونوں کے صنم فانی



یارِ ایہ جہانِ گزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجرین کا بھی ہے ہاتھ
 تو برک گیا ہے ندی اہلِ حنہ و را
 کیوں غوار میں مڑاں صفا کیش و ہنر مند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حنہ دانہ
 اور کشتِ گل و لالہ بجنشد بہ خرے چند

۳۵۶

بالِ جبریل

۳۲

حاضر ہیں کلیسا میں کباب مے گلاب
 احکام تے حق ہیں مگر اپنے منہ سے
 فردوس جو تیرے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آواز ہنس لال مرا
 فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیکانے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین حق آئند
 ہوں آتش نمود کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطنس بازار و نہ کوہین و کلم ازار
 ہر حال میں یہ اراد ہے قید ہے حرم
 مسجد میں دھرا لیا ہے بجز موعظہ و پند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پائند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
 کرے اسے اب چاند لی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں بیہود
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سب ٹھوس نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر ملائی کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے ٹوٹے کو لے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار تو تھی کیسہ خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خندا
 چپ نہ سکا حضرت یزواں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بند گستاخ کا منہ بند

۳۵۷

بال جبریل

۳۳

اعطفت سہیدہ امیر کو میسر اور شاہ خاوی رقتہ بہ عہد کے لعین و کرم سے نور و شرف و انوار و انوار
 کے فروغ و ترقی کی بابت بے شک و شبہ۔ یہ وہ بظاہر برکت و انوار و انوار کے ایک نادر و نادر ہے جو ہر کسی کے لیے
 ہر روز سید کی بات و برکت و نور و انوار کے لیے ہے۔ "ما از پائنت کا و عطار بہ دیم"

۱. ساسکتا ہر پشائے فطرت میں را کو کوا
 غلط تھا ہے جنوں کا بندہ ترا اندازہ کھرا !
 ۲. خوری سے ہر غلیم رنگ دلو کو توڑ دیکھے ہیں
 یہی ترقی تھی بلکہ ترسجھا نہ میر سجھا !
 ۳. تکرہ پیدا ہوا غافل تھی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوب سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا
 ۴. رتابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے ہر کی
 کہ وہ حلقہ کی کوئی کو بھی ہے رتبہ اپنا !
 یہی ہر درویش کی کوئی کو بھی ہے

۳۵۸
 بال جبریل
 ۳۴

۱. تکرہ پیدا ہوا غافل تھی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوب سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا
 ۲. رتابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے ہر کی
 کہ وہ حلقہ کی کوئی کو بھی ہے رتبہ اپنا !
 ۳. یہی ہر درویش کی کوئی کو بھی ہے
 ۴. تکرہ پیدا ہوا غافل تھی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوب سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا
 ۵. رتابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے ہر کی
 کہ وہ حلقہ کی کوئی کو بھی ہے رتبہ اپنا !
 ۶. یہی ہر درویش کی کوئی کو بھی ہے
 ۷. تکرہ پیدا ہوا غافل تھی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوب سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا
 ۸. رتابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے ہر کی
 کہ وہ حلقہ کی کوئی کو بھی ہے رتبہ اپنا !
 ۹. یہی ہر درویش کی کوئی کو بھی ہے
 ۱۰. تکرہ پیدا ہوا غافل تھی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوب سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ رحمت دس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حلیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اُس دُرِ سعید کی یادگار میں
سُیر و تسلیم کیے گئے:

’ما از پے سنائی و عطا لایم‘

سماکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا

غلط کھتا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں

یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

نکدہ پیدا کر اے غافلِ تجلی عینِ فطرت ہے

کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

۳۵۹
بالِ جبریل
۳۵

رقابت علم و فن میں غلط بینی ہے جسے سبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہ کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتے تھیں اسے جبریل میرے جذبِ مستی کی
 تن اس عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فخر تھا جن کا ہلاک فیضِ کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الریج لھاتا ہے
 گلیم بوڑھو و ذوقِ اویس چادر زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے پڑا

۳۶

بالِ جبریل

۳۶

نذا آتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چنیاں احرام و ملی خفت نہ دھرتی
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لائے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سپانہ الا
 و بارگاہ ہے اس کو زخمہ در کی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا و اوپلا
 اسی دریائے اٹھتی ہے وہ موجِ شند جولاں بھی
 ننگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب اکھیں آزاد بندے سے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ جسد کی آنکھ ہے بینا

• یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت کے
 زلمے کے سمتِ رسے نکالا لوہرِ سروا
 فرنگی شیشہ لڑکے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حصار
 رہے ہیں اور ہیں عمن میری کھات میں اب تک
 مل کر کیا نسیم کہ میری استیں میں ہے بدبھیا
 وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونیتاں کے واسطے پیدا
 محبتِ خوشن بنی محبتِ خوشن داری
 محبتِ استانِ قصیدہ لکھی سے بے پروا
 عجب کیا کر مرہ و پروں کے پنجہ ہو جانیں
 کہ فرستہ ال صاحبِ دولتِ بستم سر خود را

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا

۳۶۲
بالِ جبریل
۳۸

وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشایا و مرغِ وادی سیت
 نگاہِ عشقِ بستی میں وہی اَوّل وہی آخر
 وہی شکرِ وہی شرفِ وہی سینِ وہی طہ
 سنائی کے ادب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لوگوئے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ گھمز
 گو فستِ تر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اُجّ بے قرصوفی میں وہ فقر نہیں بُتی
 اے سلفِ درویشانِ وہ مرُخدا کیسا
 جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملکیتِ آثارِ جنوں پیدا
 اندیشہ وانا کو کرتا ہے جنوں آسیر
 ناچنتہ ہے پروریزی بے سلطنت پرور
 خونِ دل شیراں جو جس فقر کی دستاویز
 ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی سرعت میں بجلی سے یاد تیز
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

۳۶۳
 بالِ جبریل
 ۳۹

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں اقل و پائس
یہ کافر مندی ہے لیے تیغ و سنان خونین



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سلکا لیا ہے جنوں
ستارہ لیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیالِ نظر کی مجذوبی
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیرِ مالِ و نکاہِ بند دوستی شوق
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں
خومی کی موت ہے اندیشہ ہائے لونا لوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے مڑوں
کہ اسی ہے مامِ صدائے کن فیکون
تری غروپ ہے غالبِ سرخیوں کا فوں

اُسی کے فیض سے یہی نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے یہی سب بوسے جچوں

۳۶۴
بالِ جبریل
۲۰



عالمِ آب و خال و بادِ استرعیاس ہے تو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ میں
 وہ شب و روز و عزم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سحر ہے تو کہ میں اُس کی ازاں ہے تو کہ میں
 کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں کرشمہ
 شانہ روزگار پر بارِ کراں سے تو کہ میں
 تو کفِ ناک و بے بصر، میں کفِ ناک و خودِ نظر
 کشت و جو کے لیے آبِ رواں ہے تو کہ میں



(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ کُز میں ہے قیدِ معتمِ سہ کُز
 مہر و حجاز سے کُز، پارس و شام سے کُز

جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے
 حُورِ خیام سے لوز، بادہ و جام سے لوز
 کرچہ ہے دلکش بہت حُسنِ فرنا کی ہر
 طائرِ بلبلِ بالِ دانہ و دام سے لوز
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تجھ سے کشادِ شرق و غرب
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز
 تیرا امام ہے حضورِ تیری نماز ہے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امینِ ازل ہے مژانِ سر کی روشنی
 کہ جبریل سے ہے اس کو نسبتِ عیسیٰ
 کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
 فقیہِ صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نگاہِ کرم کہ شیریں جسے چوٹ اڑ جائیں
 نہ اہِ سر کہ ہے کو سفندی و میشی
 طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
 ترامِ مرض ہے فقط آرزو کی بے میشی

۳۶۶
 بالِ جبریل
 ۴۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ مالِ جسے
یہ نیک و نیک یہ لہو آبِ وِناں کی ہے بیشی



پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دامن
پھول ہیں صحرا میں یا پر پائِ قطار اندر قطار
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باوجود صبح
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نعلانی کے لیے
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سرِ غرِ زندگی
من کی دنیا! من کی دنیا سو مستی جذبِ شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرتی کارِ ج

مجھ کو پھر غموں پہ اُکسانے لگا مرغِ حنین
اُڑے اُڑے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرِ سن
اور چمکتی ہے اس موتی کو سوچ کی کرن
ہوں اگر شہرِ سن سارے تو شہرِ اچھے کہ بن
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دوسوا اُلو و فن
تن کی دولت چھاؤں کا آٹا ہے دھن جاتا ہے
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غم کے آگے نہ من تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لئے میں ہر سلیقہ دل نوازی کا
مروتِ حسنِ عالم لیر ہے مروانِ غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ مہکتے
سبقِ شاہینِ بچوں کو دے رہے ہیں خالِ غازی کا
بہت مدت کے پنچھروں کا اندازِ نغمہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریشِ بہاری کا
قلندرِ جزوِ حرفِ لا الہ کچھ بھی نہیں لھتا
فقیہِ شہرِ قاروں ہے لغتِ ملتِ حجازی کا
حدیثِ بادہ وینا و جامِ آتی نہیں مجھ کو
نہ لرخا را شکافوں سے متقاضی شیشہ سازی کا

کہاں سے تونے اے اقبالِ سیکھی سے درویشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں بُرم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز و غم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شبنمِ گل میں جس طرح باوِ بحرِ کفری کا غم
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے کہ دارا و جسم

۳۶۸
بالِ جبریل
۲۲

دل کی ازاد می شناسی شکم سامان ہو
فیصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم
اے سلمان! اپنے دل سے پوچھ تلا سے نہ پوچھ
ہو کیا اللہ کے بندوں سے غی غالی حرم



دل سوئے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
خفاں! تو نیرا صاحب اور مال نہیں ہے
غافل! تو زرا صاحب اور مال نہیں ہے
پُرکار و سخن ساز ہے غم نال نہیں ہے
پُرکار و سخن ساز ہے غم نال نہیں ہے
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
یائیں نہیں! یا گردشِ اقبال نہیں ہے
یائیں نہیں! یا گردشِ اقبال نہیں ہے
میسے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
میسے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا



ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رسیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندر کا طریق

ہجوم کیوں کے زیادہ شراب خانے میں
علاج ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا
فقط یہ بات کہ پیرس کے مرد و نسوان
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ثانی و قیون
خدا کر کے رکھے شیخ کو بھی تو نسوان
نفل میں اس کی ہر بات بتائے عتیق
ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحب بدین
نہ ہو تو مرد و سلاں بھی کافی و نزدیک



نوجھ پھس کے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
کافی ہے مسلمان تو نہ شاپی فقیری
نوجھ پھس کے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
کافی ہے مسلمان تو نہ شاپی فقیری
نوجھ پھس کے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
کافی ہے مسلمان تو نہ شاپی فقیری
نوجھ پھس کے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
کافی ہے مسلمان تو نہ شاپی فقیری

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
دریںہ تہیہ راض کو نکاہی

۳۷۰
بال جبریل
۱۶



(قُطْب میں لکھتے گئے)

یہ حوریانِ سنرنگی، دل و نظر کا حجاب
 دل و دھڑکن کا سفینہ، سنبھال کر لے جا
 جہانِ صوت و صدا میں سنا نہیں سکتی
 سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہ
 وہ سجدہٴ روحِ زمیں جس کا نسب عاتیقی
 سُنی نہ مصر و فلسطین میں، ازاں میں نے
 ہوئے قُطْب، شاید یہ ہے اثرِ سیرا
 بہشتِ مغربیاں جلوہ ہا پائے کاب
 مہ ستارہ ہیں جسے جو دہیں خواب
 لطیفہٴ ازلی ہے فغانِ چنکے رباب
 فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
 اُسی کو آج ترستے ہیں منبرِ محراب
 دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عیشہٴ سیما
 مری نوا میں ہے سوز و سُر و عہدِ شایا



دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کزازی
 دلِ بیدار پیدا کر لے دلِ خوابیدہ جب تک
 مسراؤم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
 نہ تیرخی ہے کارِ نئی میرخی ہے بیکاری

۳۷۱
 بالِ جبریل
 ۲۷

مشتاق میر سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا
نظر تجھ میں سے ہاتھ آتا نہیں آتے تاروی
اس اندیشے سے ضبط ہے کہیں تاروں تک
کہ منغزاوٹے لے جاتیں ترمی قسمت کی چکاری
خداوند تیرے سا وہ دل بس کہ صحرائیں
کہ درویشی بھی عساری ہے سلطانہ بھی عیاری
مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے ہزاروی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے شرب آب پیری چاہو سامی
مری اس کے افرنگی میرا ایک سے زنجاری



خودی کی شوخی و شندی میں کہہ راز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکار مرہ سزاوارش اہل راز نہیں
مری نوا میں نہیں ہے اوائے محبوبی
کہ بانگِ صورتِ افیل دل نواز نہیں
سوال مے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
کہ طیسرے رقصہ زندانِ پال باز نہیں
ہوتی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں
اک خطر اک سلسلِ غیاب ہو کہ حضور
میں خود لہوں تو مری استانِ راز نہیں

۲۷۲

بالِ جبریل

۲۸

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھو نور عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں



میر سپاہِ ناسزا بشکریاں شکستہ صف
تیرے محسب میں کہیں ہر ندی نہیں
عشقِ بیاں کے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا
کھول کے کیا بیاں کروں ستر مقامِ مرل و عشق
صحبِ پیروم سے مجھ پر ہوا یہ از فاش
مثلِ کلیم ہو اگر مع کہ از مالوئی
خیر نہ کر سکا مجھے جلوۂ دہشِ فرزند
آواۃِ نیم شبِ بسکنت ہو کوئی ہدف
ڈھونڈو چکا میں موجِ موجِ چکا صد فصد
نقشِ نگارِ دیر میں غمِ جگر نہ لرزت
عشقِ مرلِ با شرفِ مرلِ حیاتِ شرف
لاکھ حکیم نے بحیثِ بادِ ظلمِ سب جف
اب بھی درختِ طوس سے اتنی بے باک نہ لا
سرسبز میری آنکھ کا حالِ بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں کرچہ تھی شیر کی تیری
نچھوٹے مجھے لندن میں بھی آج سحرِ خیزی

۳۷۳
بالِ جبریل
۲۹

کہیں سہ ماہیہ محفل تھی میری گرم گفتاری
کہیں سب پریشان گم گئی میری کلم امیری
زمانہ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کو کھن میں بھی جیسی جیلے ہیں پروری
جلال پاؤں شاپی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جد ہویں سیاست تو رہ جاتی ہے چند سیری
سوادِ رومۃ الکبریٰ میں ولی ماؤتی ہے
وہی عبرت وہی عظمت وہی شانِ الٰہی



یہ دیر لہن کیا ہے انبارِ خس و خاشاک
مشکل ہے لہز اس میں بے مالہ آتش ناک
نچ پیر محبت کا قصہ نہایت طوفانی
نطفِ خورشید چکان اسو و فیفتال
کھو یا کیا جو مطلقیت اور دولت میں
سمجھے گا نہ توجہ تک بے رنگ نہ ہوا دال
اک شریعِ سلطانی اک جذبِ سلطانی
ہے جذبِ سلطانی سرِ فلک الافلاک
اے ہر و منہ نہ اے بے جذبِ سلطانی
نئے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقین نہ مال
رمز میں محبت کی تسخیر بے باکی
ہر شوق نہیں ستاخ ہر جذب نہیں بے باک

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بسنوں میرا
یا اپنا لڑیاں حالِ یاد ہن نیرواں حالِ

۳۷۴
بالِ جبریل
۵۰



کمالِ ترک نہیں آسبِ کل سے مجبوری
 میں ایسے فقے سے اے اہلِ حلقہ باز آیا
 نہ فقے کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 سُننے نہ ساقی نہ شش تو اور بھی تھا
 حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور
 وہ ملتفت تھے جس کو کُنجِ قفس بھی ازادی
 کمالِ ترک ہے تسخیر کی و نوری
 تمہارا فقے ہے بے دلتی و رنجوری
 وہ قوم جس نے کنواہ استماعِ تہجوری
 عیارِ کرمی صُحبے عریض و زوری
 کہ جسے بے کر تھکتی ہے عینِ ستوری
 نہ ہوں تو صحرانِ حسین بھی مقامِ مجبوری
 فرنگِ دل کی خرابی خردلی مہجوری
 بُرا نہ مانِ ذرا ازما کے دیکھ اے



عقل کو آستان سے دُور نہیں
 دلِ بینا بھی کرخدا سے طلب
 علم میں بھی سُرور ہے لیکن
 اس کی تفتدیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں عور نہیں

۳۷۵
 بالِ جبریل
 ۵۱

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ہاں سبوری ہے زندگی دل کی
 بے حضور ہے تیری موت کا راز
 ہر گز نے صدف کو توڑ دیا
 آرنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
 ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ وہ دل کہ ہاں سبور نہیں
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 طلسمِ سب کمرؤں کو توڑ سکتے ہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
 تریعتِ نام کو خیمِ شناس کیا جانے
 یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے
 مرے جنوں نے زمانے کو خوش چسپا
 تو اب جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
 زجاج کی یہ عمارت کنگارہ نہیں
 مگر یہ چھوڑ دے مردِ سچ کا رہ نہیں
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تابِ ستارہ نہیں
 تری نکم میں ابھی شوخیِ نطفہ رہ نہیں
 وہ سپہنِ مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

۳۷۶

بالِ جبریل

۵۲

غضبِ عینِ کرمِ نخیل سے فطرت
کہ لعلِ ناب میں آتش تو ہے شرارِ نہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجودِ کج گاہی
ترمی زندگی اسی سے تری اگر وہ اسی سے
نہ دیا نشانِ سزل مجھے اے عجم تو نے
مرے حلقہ سے سخن ہیں ابھی تر بیت ہیں
یہ معاملے ہیں نازک جو تری ضرر ہو تو
تو ہٹا کھ ہے شکاری ابھی ابتداء تیری
تو عربی یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مہتمم پادشاہی
جو رہی خمی تو شاہی نہ رہی تو رویاہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تُو نہ رہشیں نہ راہی
وہ لدا کہ جانتے ہیں وہ رسم کج گاہی
کہ مجھے تو خوشن آ یا یہ طریقِ خانقاہی
نہیں مصلحت کے خالی یہ جہان مرغِ ڈاہی
لُغَبِ غریب جب تک ترا دل نہ دے راہی



ترمی نگاہِ فرما یہ ہاتھ ہے کوتاہ
گلا تو کھنٹ دیا اہلِ در سے ترا
ترا کُن کہ نہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کم ہے خدائی تلاش کر غافل !
 حدیث دل لسی روشن کیسے ہو چھپ
 یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی اُ
 خدا کرے تجھے یہ مقام کے آگاہ
 یہاں فقط شہر ہیں کے واسطے گلاہ
 خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت جاہ
 نہ ہے ستارے کی روشنی بازی افلاک
 نہ زندگی نہ محبت نہ مفت نہ نکاح
 انھما میں رس و خاقانے عین نام



خوف کے پاس بے سو اچھ اور نہیں
 پر اک سلام کے مقام ہے تیرا
 ترا علاج نطف کے سو اچھ اور نہیں
 کران بہا ہے تو جھنڈ خودی کے ہونے نہ
 حیات فوق کے سو اچھ اور نہیں
 رکوں میں کروشن خوں ہے اگر تو کیا حاصل
 لہر میں اب کے سو اچھ اور نہیں
 عروس لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب
 حیا سے بڑ جلر کے سو اچھ اور نہیں
 جسے کسوت جھٹھتے ہیں جب ارنج ناک
 کہ میں سیم کے سو اچھ اور نہیں
 بڑا کریم ہے قہر ال بے نو لیکن
 وہ سے متاع نہیں کے سو اچھ اور نہیں
 عطائے شعلہ شہر کے سو اچھ اور نہیں

۲۷۸
 بال جبریل
 ۵۲



نگاہِ مست میں شاہِ سکندر می کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیری
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے جو گلی کہ جنہیں
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
 اسی خط سے عتابِ نلوک سے مجھ پر
 کہ نہیں تیرے سرور میں لکین
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندر می سری
 خراج کی جو کدا ہو وہ قصیر می کیا ہے
 مجھے بت تو ہسی اور کانسر می کیا ہے
 خنہ سریں رشوں بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لبسری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ سکندر می کیا ہے
 خودی کی سوتلہ جس میں سرور می کیا ہے
 ولہ نہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے
 عیقل و دل ہیں شرِ شعاعہ محبت کے
 مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ پس
 جہاں سے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و جس کے لیے ہے نیریتاں کے لیے
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں و سبیل و فرات میں کتک
ترا سفسند نہ کہ ہے بھر بے لہر اس کے لیے
نشان راہ دکھاتے تھے جوتاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
ننگہ ملت و سخن دل نواز جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کا و اس کے لیے
وہ اسی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
بڑھایا ہے فقط زریبِ ہستیاں کے لیے

میر کے علوم میں ہے ال نغمہ جبریل آشوب
سنبھال کر جسے رکھتا ہے لامکاں کے لیے



تو اے میر کاں! لامکاں کے دور نہیں
وہ جلوہ گاہ ترے خاک و اس کے دور نہیں
وہ مرغزار کہ بنیم سزاں نہیں جس میں
غمین نہ ہو کہ ترے اشیاں کے دور نہیں
یہ ہے حلاوتِ علم قلمِ رمی حیات
خدا جنت ہے لیکن کیاں کے دور نہیں
فضا تری مڑ پر ویں سے ہے ذرا اس کے
قدم اٹھائے امتِ اسماء کے دور نہیں
کہے نہ راہِ نسل سے کہ چھوٹے مجھ کو

یہ بات اہر و نکتہ و اس سے دور نہیں

۳۸۰
بالِ جبریل
۵۶



(یورپ میں لکھے گئے)

جس نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
نہ بادہ ہے نہ صُراحتی نہ دھوپِ پُشا
فقط نکاح سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ
مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
کہ میں چوں محرمِ از و دینِ محبت
کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہِ نسیمِ سر
اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
کوئی بتائے مجھے یہ عیا ہے کہ حضور
سبِ شناہیں یہاں ایک میں چوں بیگانہ
فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
مے جُسنوں کو سنبھالے الہیہِ ریانہ
مقامِ عقل سے اس کا لڑیا قبال
مقامِ شوق میں کھویا کیا وہ فرزانہ



افلاک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر
کرتے ہیں خطا کے آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 شمشیر و سناں اول طاعون و ربا آخر
 میخانہ یورپ کے دستور نرے ہیں
 لاتے ہیں سُر اور اول دیتے ہیں شراب آخر
 کیا وہ بد نہ ناوڑ کیا شوکت تیموری
 چو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے تناب آخر
 خلوت لی لٹری کزری جلوت لی لٹری آئی
 چھٹنے کو ہے کجی کے آغوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سبیل معانی کا
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 تو مرد میدان، تو ملیشہ ہر
 نوری حضور تی سہر سپاہی
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 یہ بے سواوئی یہ کلم نکاحی
 دنیا تے دُوں کی کب تک عنادی
 یار اہم سب کربا پاؤش راہی
 چیرم کو دیکھا ہے میں نے
 کروار بے سوز، لغتار واہی

۳۸۲

بالِ جبریل

۵۸



ہر چیز ہے محو خود ناسائی
 بے ذوق نمود زندگی، موت
 راتی زورِ خودی سے پرست
 تارے آوازہ و کلمہ آئینہ
 یہ پھیلے پہر کا زور و چپا
 تیری قسندیل ہے تراول
 اک ٹو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
 ہیں عقد کُشتِ حینِ اصحرا
 ہر روزہ شہیدِ کبریا
 تعمیرِ خودی میں ہے حنائی
 پرستِ ضعفِ خودی سے اتنی
 تقدیرِ وجود ہے جُبدائی
 بے راز و نیازِ اشنائی
 ٹوٹا ہے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمودِ سیمائی
 کلمہ کر بکلمہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر و شرنِ ماہ
 تعمیرِ ریاں سے میں نے یہ از پائیا
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ
 اہلِ نوا کے حق میں کجلی ہے اشیانہ

یہ بند کی خدائی، وہ بند کی کدائی
 یا بند خدا بن یا بند زمانہ!
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لالہ کے ارث باقی نہیں تھی
 کفایتِ لبِ برانہ، لہرِ وارفتا ہر آنہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لکھو یا لکھا ہے یہ جذبِ قلندرانہ

رازِ حرم سے شاید قہرِ سالِ باخبر ہے
 ہمیں اس کی نفست کو لے اندازِ محرمانہ



خروشنڈوں سے لیا نچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں ہوتا ہوں میری ابتدا کیا ہے
 خودی کو کہ لبِ بند اتنا کہ ہر تدریس سے پہلے
 خدا بند سے خود کو چھپتا تیری صفا کیا ہے
 مقامِ نفست کو کیا ہے کہ میں سمیٹ کر ہوں
 یہی سوزِ نفیس ہے اور میری کمی کیا ہے!

۳۸۲
 بالِ جبریل
 ۶۰

نظر آئیں مجھے تقدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شمسِ مجھ سے و چشمِ مرسل کیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
 تو قبال اس کو سمجھتا مقامِ سر کیا ہے
 نوائے صبحِ کاہی نے بکھر خوں کر دیا سیرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے!



جب عشق سکھاتا ہے اوجِ اکاہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو عزالی ہو
 نوید نہ ہو ان سے لے رہبرِ فرزانہ!
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُزق سے مت اچھی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے او سحرِ کاہی
 کم کوشش تو ہیں سب کین بے ذوق نہیں اسی
 جس رُزق سے آتی چو پُر از میں عاتہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

وارا سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد الہی
آئین جو انمراں حق کوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہا ہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تھمے ہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جاتا بھی
کہ اس جنگا سے میں کچھ تیغ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا بس شعور نے محراب مسجد پر
یہ دواں گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
چل اے میری غریبی کا تماشائی بنے والے
وہ محفل اٹھ لے جس دم تو مجھ تک ورجام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ ال مڑتن اسان تھا تن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی ہیں جستجو لڑتا رہا ہوں
بڑی محنت کے بعد غرور شاہینِ یوم آیا



نہ پٹغیانِ شقائق تو میں چتا نہیں تھی
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیانِ شقائق

۳۸۶

بالِ ہیریل

۶۲

مجھے فطرت نے تو ایسے سے پیوستہ کر رہی ہے
 وہ آتش آج بھی میرا شمع بن چکا ہے
 نہ لڑا فرما کا اندازہ اس کی تابانی سے
 دلوں میں لو لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 خزاں میں بھی لے لے لے لے لے لے لے لے لے

اُلٹ جائیں لی بھرتی لے جائیں لی تقدیر
 حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی جلائی



فطرت کو خود کے زور پر کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے بیکراں
 غریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت

تسخیرِ مستامِ زنا و بکر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ مستامِ ارزو کر
 چاکِ گل و لالہ کو رفو کر
 جو اس کے نہ ہو کا وہ ٹوکر!

۳۸۷
 بالِ جبریل
 ۶۳



یہ سپرین کلیسا و حرم اے وائے مجسومی!
 صلہ ان کی لہو کاوشس کا ہے سینوں کی بے زوی
 یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ماتھ آتی ہے
 وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے مغفوری
 کبھی حیرت، کبھی سستی، کبھی آج کل ٹھہری
 بدلتے ہوئے ہزاروں رنگ میسر اور مہجوری
 حد اور اسکے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
 سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری
 وہ اپنے حسن کی سستی سے ہیں مجبور پیدائی
 مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں ایسا بستہ مری
 کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں
 نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کلم ترکانِ سیوسی

۳۸۸

بالِ جبریل

۶۲

فقیرانِ سرم کے ہاتھ قرب ال ایک کانیو
میٹر سر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر و قیم
کڑا سس میں ممکن نہیں بچو بکیم
عقل عیت اسے سو بھیس بنالیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
عیش سنزل ہے غریبانِ محبت چرام
سبافرہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
ہے کراں سیر عزم راحلہ و زاوے تو
کوہ و دریا سے لڑ سکتے ہیں مانند نسیم
مرد و رویش کا سر یہ ہے ازاد می مرل
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں فیض سائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زندہ ہو پر
چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
الگھولیا ایشیہیں تو کیا نسیم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں بے پروا ہے کام میرا
ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں
اسی روزِ شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
کہتے دن کہ تنہا تھا میں بسم میں
یہاں اب کے رازواں اور بھی ہیں



(فرانس میں کیٹے گئے)

وٹھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ حیاں کا دھوم
والتے ملتے خام و آتے ملتے خام
چیرم نے لہا لسن مری روتاؤ
پُنجیتے تیرے فغانِ اپنے اُسے ل میں تھام
تھا ارنی کو کلیسے میں ارنی کو نہیں
اُس وقتِ اضار و امجدِ چیتِ اضام
کرچے پُشتائے راز اہل نظر کی فتن
نہیں سکتا کبھی شیوہ زندانہ عام
حلفتِ صوفی میں کرے نمونے عروسا
میں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

۳۹۰

بالِ ہیریل

۴۴

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی بھئی ماتم میں بھی بھئی ماتم
 آہ کہ لکھو یا لکھتے تھے قیصر کا راز
 ورنہ یہ مالِ فقیرِ لطیفِ بوم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرتِ جبریل
 اگر عشق محکم تو صُورِ اسرافیل
 عذابِ ناشائستہ حاضر ہے باخبر ہوں میں
 کہ میں اس کال میں الا لیا ہوں مثلِ نسیل
 فریبِ خجندہ منزل ہے کاواں ورنہ
 زیادہ احسن منزل سے نہ شکارِ حیل
 نظر نہیں تو مجھے سلفۂ سخن میں نہ بیٹھ
 کہ کج گمانے خودی میں شالِ تیغِ ایل
 مجھے دوسرے فرنگِ آج یاد آتے ہیں
 کہاں حضو کی لذت کہاں حجابِ لیل
 اندھیری شبِ جد اپنے قافلے سے ہر تو
 ترے لیے مرا شعلہٴ نو اہلِ بیل

غریبِ سادہ زنجیں سے دوستانِ حرم
 نہایت اس کی حسین، ابتدا سے اہلِ حرم





مکتبوں میں کہیں عینِ آئی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ راہِ وراں و بھٹی دُشوار بھی ہے؟
کوئی اس قافلے میں تافلہ سارا بھی ہے؟
بڑھنے کی بجائے میرے تھروں میں
اس زمانے میں غنائی حشرِ ازل بھی ہے؟
علم کی جستجو کے لئے قدموں کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟

پیرِ حنا نہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
وہ بت بنایا بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے؟



حادثہ جو بھی پڑے منہ لاک میں ہے
عسکرِ کفر کے آئینہ اور اک میں ہے
زیتارے میں گئے کروٹیں افسانہ میں ہے
تیر تھمتِ دیر سے نالہ بے مال میں ہے
یا مری آہ میں غنائی شہرِ زندہ نہیں
یا ذرا نام ابھی نیچے خوش خاشاک میں ہے
کیا مجھ پر ہی نوا ہوتی ہے کفر سے
زندہ ہو جائے وہ آتشِ ترمخی خال میں ہے

۳۹۲

بالِ جبریل

۶۸

توڑ ڈالے کی یہی خاکِ طلسمِ شبِ روز
گرچہ کچھی ہوئی تقدیر کے پیکار میں ہے



رہا نہ حلقہ صوفی میں موزِ شتاتی
خراب کو شکستِ سلطانِ خانقاہِ فقیر
مرے کی اور محشر کو شہسارِ اکِ روز
نہ چینی و سربِی و نہ رومی و شامی
مے شہانہ کی مستی تو ہو چلی لکین
چمن میں تلخ نوائی مری لواکر
عزیز تر ہے متاعِ امیرِ سلطان سے
فسانہ ہائے کرامت رکھتے باقی
فغاں کہ تختِ بوسلی سالِ زرقی
کتنا ہے صوفی و ملائی سا وہ اوراقی
سما سکا نہ دجِ عالم میں مردِ آفاقی
کھٹکے ٹاپے لوں میں چشمہ ساقی
کہ زہر بھی کبھی لرتا ہے کارِ بریاقی
وہ شعر جس میں کج بولی کا سوہنہ برقی



ہو نہ زور سے اس کے کوئی لریاں چاک
گرچہ مغربوں کا جنوں بھی تھا چالاک

مے یقین سے ضمیر حیات ہے پر نور
عروجِ آدمِ حنالی کے منتظر ہیں تمام
یہی مانہ جانسری کا ناست ہے کیا
تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
زمانہِ تسل کو سمجھا سوائے شعلِ راہ
جہاں کامِ میراث مر مومن کی
نصیبِ سیرب آریب آتشِ نال
یہ کہستانِ ستارے یہ سیلکوں افلاک
مانعِ روشن دل تیر و نہ بے بال
و لکنہ اک ہے مومن جہاں خوش خاشاک
کنجے خبر بنوں بھی صابہ اور ال
مے غلامِ چختے شکتِ رولوال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ برباد
یا سنج و طعنِ نعل کا اتین جہاں لیری
یا حیاتِ فارابی یا تابِ تب و تمی
یا عتزل کی روباہی یا عشقِ یدِ الہی
یا شرعِ سلمانی یا دیر کی دربانی
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
یا کسی و زاوی لے سمتِ مردانہ
یا مردِ ستلندر کے اندازِ ملوکانہ
یا منکرِ حلیمانہ یا جذبِ علیمانہ
یا حیلہ اسیرِ غلی یا حملہ ترکانہ
یا نعرۂ مستانہ لعلیہ بولتِ خانہ
کچھ کام نہیں بنتا بے جراتِ زندم



نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
 جو بات مرو قلند کی بارگاہ میں ہے
 صنم کہ ہے چہاں اور مروت حق ہے خلیل
 نیکت وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کہے پیدا
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 نہ ستارے کے مقام ہے جس کا
 وہ شست خاک ابھی وار کان اہ میں ہے
 خبر ملی ہے حیدریان بھروسے مجھے
 فرنگ کہ زریں بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری اہ صوب گاہ میں ہے
 مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بنشایا مجھے امیدیشہ چالاک
 رکھتی ہے مگر طاقت پر از مری خاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفتیل اور اک
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کا قبا چاک

۳۹۵
 بال جبریل
 ۷۱

وہ خاک کے پروائے شمع نہیں رکھتی
چھتی نہیں پہنائے چمن خے حسنِ خاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ساروں عرقِ ناک



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سونے کو فہ و بیدار
یہ مدرسہ جہاں یہ سہرور و عنایتی
انھی کے دم سے بچتا ہے فنا و آباد
یہ فلسفے سے نہ ملائے ہے عرضِ مجاہد
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و غمِ کافور
فقیہ شہر کی تحقیق کیا مجال می
مگر یہ بات کہ میں ٹھنڈا ہوں دل کی کشاد
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پیروز
خدا کی دین ہے ساری عینِ فرما
کیے ہیں فاش رموزِ تسلیم و سہم
کہ کبر و خافتا ہوا ازاد
رشی کے فاقوں کو ٹانہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو ظہیمی ہے کارِ بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارت
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانب دی

۳۹۶

بالِ جبریل

۷۲

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سلھاتا ہے واجبند و بزی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو
سلھاتی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے



جیسا ہے رومی، ہمارا ہے راز حق
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
تو بھی نہ سازئی میں بھی نہ سازئی
جس کے میں ملتا ہوں غازی
حرفِ محبت ترکی نہ تازی
کاغذِ سیلاں نہ سازئی
باقی ہے جو کچھ سب خال بازی

نئے نئے باقی، نئے نئے بازی
روشن ہے جامِ شیداب تک
دل ہے سلماں میرا نہ تیرا
میں جانتا ہوں انجام اس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
آؤر کا پیرِ حسنِ راز تراشی
تو زندگی ہے پائندگی ہے



وئے وہ رہو کہ ہے منتظرِ راحلہ

گرمِ فغاں ہے جبریں اٹھ کہ لیا قافلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں خالق ہی سلسلہ
دل ہو غلامِ حسدِ دُیالہ امامِ حسد
ساکبہ ہوشیار بخت ہے یہ حیلہ
اُس کی خودی ہے ابھی شامِ سحر میں یہ
کروشش اس کا ہے جس کی باں پر گلہ
تیرے نفس کی ہوتی آتشِ گل تیر
منہ چمن ہے یہی تیری نو اُکھلہ



مری نوا سے پختہ زندہ عارفِ عامی
دیے ہیں نے انھیں فوق آتشِ آشامی
حرم کے پاس کوئی عجیبی ہے مریخ
کہ تار تار ہوئے جسمِ عالمی احرامی
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونی و شامی
مجھے یہ ہے مقامِ مرہینِ سُختہ کار بہت
نہ زناں لائے کہیں تیرے ٹاتھلی خامی
عجب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
شکوہِ سحرِ جوتِ حنیفِ دوسطامی

قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے نہ
ترمی نگاہ میں تھی میری مانوشِ اندامی



۳۹۸
بالِ ہبریل
۷۲



چاکر امت سے آگے لڑ لیا مہ نو
 لہاں کس کو میسر ہوا ہے بے تک و دو
 نفس کے زور سے و غنچہ واہو ابھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیہر
 پشپ کا زخیم باں میں لالہ دل ہو
 کہ سازگار نہیں تہ جہان کس م جو

ہے نہ ایسا غوری کے سر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نعمت خسر



لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ جوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش
 کس کو معلوم ہے ہر ننگا مہ فردا کا مقام
 مسجد و مکتب و محبت نہ ہیں تہ کے خموش

میں نے پایا ہے اُسے اشکِ سر کا ہی میں
 جس نایاب کے خالی ہے صند کی آغوش
 ننتی تہ زیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش!
 صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ عنِ اُفل نہ رہے
 گلے کا ہے عنِ سدا پہنک بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں رستہ شیریں شاہد شاہی
 آج آن جن نقموں میں ہے فقط روباہی
 نظر آتی نہ مجھے متافلہ سالاروں میں
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم الہی
 لذتِ نعمت کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 آہ، اس باغ میں کرتا ہے نفسِ کوتاہی
 ایک کستی جویرتے سر پر اپنا ریا
 ایک کستی جویرتے تمام اکاہی

صفتِ برق چمکتا ہے مرندِ بلند
 کہ بھٹکتے نہ پھریں سلسلِ شبِ بد

۴۰۰
 بالِ ہبریل
 ۷۶



ہے یاد مجھے نکتہ ستارِ خوش آنک
چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تحس
کر بیل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
و نہا نہیں مزانِ جفا شس کے لیے تنک
جی سکتے ہیں بے روشنی و شرفِ ہنک
بیل فقط آواز ہے طاؤس فقط زنگ!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
علم کا مقصود ہے پاکِ عتلا و خرد
علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و حکیم
فقر مستانِ نظر، علم مستانِ خبر
علم کا موجود اور فقیر کا موجود
فقر ہے میز کا مریز فقر ہے شاہوں کا شاہ
فقر کا مقصود ہے حققتِ قلب و نگاہ
علم ہے جو یاتے راہ، فقیر ہے دانائے راہ
فقر میں سستی ثواب، علم میں سستی کناہ
اشہدُ ان لا اله الا انت لا اله الا انت

✽ سلمان بسمو و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

۴۰۱
بالِ حبیبیل
۴۴

چڑھتی ہے جب فکر کی سان پہ تیغ خوبی
ایک سپاہی کی ضرب تہ تیغ ہے کار سپاہ
دل الہی خال میں زندہ و بیدار ہو
تیری نکتہ توڑ دے آسمان سے مہر و ماہ



کمال جو بن جنوں میں ہا میں کرم طواف
خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف
یہ تہنق مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ یک زبان میں فقہیان شہر میرے خلاف
ترپ ہا ہے فلاطوں سیاہی غیبی حضور
ازل سے اہل حق کا مقام ہے اعراف
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گر کوشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف

سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مے فرنگ کا تہ جبر بھی نہیں ناف



شہر و ہوش و غم کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

۲۰۲
بال جبریل
۷۸

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
الکرچہ میرے شہمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طسائر حسین کا نصیب
سُناتے ہیں نے سخن بس ہے تکرار عثمانی
سُناتے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
تکے جن کے نشہ میں ہیں زیادہ قریب!

قطعہ

اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ اندال میں تجبیرِ مسلسل
یا خاک کے اغوش میں تبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات



رہ دیکھم غافل مانہ !
 کلیں کی ادا سودا حیرانہ !
 تیرے مرا ہیرا میں پاک
 ہیرا ہر جنوں کا یہ زمانہ !

2

طہاریم بحر میں عورتیں سنبھل جا
 شہر جا کھڑے ہوتے ہیں عجب بیچ کھاکر بدل جا

مستند کا کریں تاہم تہ صوح ہر سال حل تری قیمت میں آج !
 اہم خبریں صرف چاہئے لعل جا !

۴۰۴
یال جبریل
۸۰

رُباعیت

۴۰۵
بالِ عہدیل
۸۱

رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ
تبرکے مرا پیرا ہن چال
کلیسا کی ادا سوسو والہ
نہیں اہلِ خسوں کا یہ زمانہ

ظلامِ بحر میں کھو کر سنجل جا
نہیں ساحلِ ترقی قسمتیں لے موج
ترپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرے چلے نیکل جا!

مکانی ہوں کہ آزادِ مہکاں ہوں جہاں بیچوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی خدمتوں میں لم ہا میں خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جب سوت قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پیشاں کا روبرو آشنائی پیشاں ترمی نہ گئیں نوا آئی
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل خوش آتا ہے کبھی سو جُبد آئی!

یقین، خلیلِ تشنہ یقین، اللہ ستی، خود گزینی
سُن، اے تہذیبِ باختر کے گرفتار غلامی سے بتر ہے بستی

عرب کے سوز میں ساجم ہے
تہی حد تک ہے اندیشہِ غرب
حرم کا راز تو حیدِ اُمم ہے
کہ تہذیبِ نئی ہے حرم ہے

کوئی دیکھے تو میری لوانی
نفسِ ہندی مقامِ ستارنی
نکھ الودہ اندازِ منہ
طبیعتِ غزنوی قہمتِ یازنی

ہرالِ فترے میں ہے شاید مکھیں دل
اسیرِ دوش و نڈر ہے لبین
اسی جلوت میں ہے خلوتِ نشیں دل
غلامِ کر و شش و رانہیں دل

ترا اندیشہِ منکالی نہیں ہے
یہ مانا اصلِ شاپہنی ہے تیری
ترمی پروازِ لولالی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں بے بالی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی، الٹی روشن ضمیری
خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن ایسی بے فقیہی

خودی کی جستجو میں مصطفائی
خودی کی جستجو میں کبریا
زمین اسماں کی عرش
خودی کی دو میں ہے ساری خدائی

ننگہ الجھی ہوئی ہے نہک و بومیں
خود لکھوئی لٹی ہے چپا رومیں
نہ چھوڑے دل فتنانِ صبح کاہی
اماں شاید ملے اللہ ٹھوٹیں

جمالِ عشق وستی نے نوازی
جلالِ عشق وستی بے نیازی
کمالِ عشق وستی طرفِ حیدر
زوالِ عشق وستی حرفِ ازی

۲۰۸
بالِ حبریل
۸۲

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے مری بلی مرا محفل کہاں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خدمتوں میں خدا جانے مست ام دل کہاں ہے

سوارِ مات و محمل نہیں ہیں نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں ہیں
مری تقدیر ہے حنا اشک سوزی فقط بجلی ہوں میں چال نہیں ہیں

ترے سینے میں دم نئے دل نہیں ہے تراؤم کرمی محفل نہیں ہے
گزر جاتل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ترا جو ہر ہے نورِ مئی پاک ہے تُو سرِ رخِ دیدہ افلاک ہے تُو
ترے صبرِ یوں انفرشتہ تُو کہشاپین شہِ لولاک ہے تُو



محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے
صغیر کچھ دل پریشان سجدے بے وقوف
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے



خودی کے زور سے یہ سپاہ چھا جا
مستم گناہ بوجہ کار از پا جا
بڑھکے رساں آتش نمارہ
کعبہ احل سے من لھنیچتا جا



چمن میں خست گل شبنم سے تر ہے
سمن ہے، سبز ہے، بادِ سحر ہے
مگر ہنکار ہو سکتا نہیں مرم
یہاں لالہ بے سوز جگر ہے



خروسے اہر روشن صبح ہے
خروسے کی ہے چراغِ راز ہے
درونِ جناں ہنکارے ہیں لیا لیا
چراغِ رہ لزر کو کی خبر ہے

۴۱۰

بالِ جبریل

۸۶

جوانوں کو مری آہِ سرے
پھرن شاہین بچوں کو بال پرے
خدایا! از رو سیری ہی ہے
مرانور بصیرت عام کروے

ترمی و نیسا جہان مرغ و ماہی
مری و نیسا فغانِ جگہا ہی
ترمی و نیسا میں محکوم و مجبور
مری و نیسا میں تیری پاؤں شاہی!

کرم سیرالہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ نعلِ خوب نہیں میں
جہاں بونی مری فطرت ہے لیکن
کسی بیشکِ عدت نہیں میں

وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
مکانِ مِیاشے ہے اندازِ بیاں ہے
خضر کنویر بتاتے، کیا بتاتے
الکرما ہی لے وریاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آتائے پہرہ پوش کبھی عریان و بیستغ و سناں عشق!

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساریہ محراب و منبر کبھی ہولاشلی خیر شکن عشق!

عطا اسلاف کا جذبہ رُوس کر شریکِ زمرد لایحِ نزنوں کر
خرو کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

نیکت میں سیکھا بوا حسن کہ جاں تہ نہیں کہ بدن سے
چماک موج میں کیا باقی ہے لی اگر بسینار ہو اپنی کرن سے!

۲۱۲

بالِ جبریل

۸۸

خود واقف نہیں ہے کیا ہے وہ
بڑھی جاتی ہے طغالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے
خود بیزار دل سے دل خود سے!

خدا کی اہم شکرت ہے
خداوند احسان دہی در دوسرے
وہیکن بندگی استغفرا
یہ دروہ نہیں دروہ کر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروم کا
کہوں کیا جاہ اس بے بصر کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا

وہ عارف نسیم صدم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب اسے میسر
شہانی سے طہی وقت دم ہے

رکوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نہ از روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ لُن ترانی
ہوتی جس کی خودی پہلے نمودا وہی سدی وہی آخرِ زمانہ

زمانے کی یہ گردشِ جاودا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
کسی نے دوشِ کھیا ہے نہ فردا فقط امروز ہے یہ زمانہ

حکیمی نہاسلمانی خودی کی حکیمی رمزِ نہپانی خودی کی
تجھے گرفتِ وِشاہی کا بتا دوں غریبی میں نہجسبانی خودی کی

۴۱۴
بالِ ہبریل
۹۰

ترا تن رُوح سے نا آشنا ہے عجب کیا! او تیری نار ہے
تن بے رُوح سے بیزار ہے حق خدا نے زندہ زندوں کا خدا ہے

قطعہ

اقبال نے کل اپنی خیابان کو نکال
یہ شعرِ شاط اور وُپر سوز و طرب نکال
میں صُورِ ستِ گل دستِ صبا کا نہ مجھیں تاج
کرتا ہے مرا جو شرسِ جنوں میری قبا چال

۲۱۵
بالِ جبریل
۴۱

دعا مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی

ہے پہی میری نماز ہے پہی ہر وضو
مری نواؤں میں ہے رے جگر کا لہو!
محبتِ اہلِ صفا نورِ حضور و سرور
سرخوش و پرہیز ہے لالہ لبِ آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو!
راشیمیں ہیں درگاہِ میر و وزیر
سیرا شمیم بھی تو شاخِ شمیم بھی تو!
تھمے گریباں مرا مطلعِ صبحِ شہور
تھمے مے سینے میں آتشِ اللہ عو!

۲۱۶
بالِ جبریل
۹۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَدَا

(سجدہ طبر میں لکھتی تھی)

ہے یہی میری ناز ہے یہی میرا وضو

میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

صحبتِ اہل صفت، نور و حضور و سرور

سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو

راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتیق

ساتھ مرے رہ کتنی ایک مری آرزو

میرا نشیمن نہیں درگاہِ میر و وزیر

میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو

۲۱۷
بالِ حبیب
۹۳

تجھ سے کرباں مرا مسلح صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُٹھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
 تُو ہی مری آرزو، تُو ہی مری جستجو
 پاس اگر تُو نہیں، شہر ہے ویران تمام
 تُو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و کو
 پھر وہ شراب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں
 دھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سُبُو
 چشمِ کرم سا قیادیر سے نہیں منتظر
 بدلتیوں کے سبُو، بدلتیوں کے لڑو
 تیری حنائی سے ہے میرے جنوں کو رکھ
 اپنے لیے لامکانِ میرے لیے چار سُوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا، جسے کہ نہ سکیں رُو برو

۲۱۸
 بالِ حبریل
 ۹۴

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کر حادثات

سلسلہ روز و شب، اصل حیات و ممات

سلسلہ روز و شب، تارِ سرِ پروردگار

جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبلے صفات

سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فغان

جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بمکنات

تجھ کو پرکھت ہے یہ مجھ کو پرکھت ہے یہ

سلسلہ روز و شب، صہیرِ فی کائنات

تو ہوا لکھ عیار، میں ہوں لکھ عیار

موتے تیری برات، موتے میری برات

۴۱۹
بالِ جبریل
۹۵

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رُوح جس میں نہ دن ہے نہ رات
 انی و فانی تمام مجبوزہ ہاتھ ہنس
 کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
 نقش کُن ہو کہ نو، مسنزلِ آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا بے ثباتِ دوام
 جس کو لیا ہو کسی مروجہ دل نے تمام
 مروجہ کا عمل عشق سے صاحبِ مرغ
 عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
 تند و سبک سیر ہے لہرِ نہ ملنے کی رو
 عشقِ خدواں سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصا برِ واں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

۴۲۰

بالِ جبریل

۹۶

عشق دمِ جبریل، عشق دلِ مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کی مستی سے پیکرِ گل تابناک
 عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کائناتِ کرام
 عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نازِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا خشت و سنبل چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرۂ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد اسوز و سُرور و سرود

تیری فضا دل فرزند، میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
 لہجہ کفِ خال کی حد ہے سپہر کبود
 پیکرِ نوری کو ہے جہدہ میسر تو لب
 اس کو میسر نہیں سوز و لہذا زبجو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود
 شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
 نعمۃ اللہ ہو میرے دل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل
 وہ بھی حسین و حیل، تو بھی حسین و حیل
 تیری بنا پائدار تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجومِ خلیل

۲۲۲
 بالِ جبریل
 ۹۸

تیرے درو بام پر واوی امین کا نور
 تیرا منہ بٹ جلاوہ کہ جب تیرے
 منہ نہیں سکتا کبھی مرد سماں کہ ہے
 اس کی اذانوں سے فاش سیرِ ظہیم و خلیل
 اس کی زمین بے حدود، اس کا اُفق بے ثغور
 اس کے سمندر کی موج، و جلد و دنیوب و سیل
 اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
 عہدِ کهن کو دیا اس نے پیا حیریل
 ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق
 بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اکیل
 مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زردہ 'لا الہ'
 سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا الہ'
 تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
 اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

۴۲۳
 بالِ جبریل
 ۹۹

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کارائیں، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
 ہر وجہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد حلیل
 اس کی ادا اول فریب اس کی نلہ دل نواز
 نرم و کم نفست کو، گرم و کم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک و پاک با
 نقطہ پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
 حلفتہ آفاق میں گرمی محسن ہے وہ

۲۲۲
بال جبریل

کعبہ اربابِ فن! سطوتِ دین نہیں
 تجھے جسے سرم مرتبت اندھیوں کی زمیں
 ہے تہِ کمرؤوںِ الحسن میں تیری نظیر
 قلبِ سلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 اہ وہ مروانِ حق! وہ عربی شہسوار
 حائلِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فائنس یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ ایلِ دل فست ہے، ساہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی سنڈراہ ہیں
 جن کے لہو کی طفسیل آج بھی ہیں اندھی
 خوش دل و کرم اختلاط، ساوہ و روشن جہیں
 آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

۴۲۵
 بالِ جبریل
 ۱۰۱

نُوتے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
 رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

دیدۂ انجسم میں ہے تیری زمیں، آسماں
 آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
 کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
 عشق بلاخیز کا فتانِ فدا سخت جاں
 دیکھ چکا المنی، شورِ شمسِ صلاح دین
 جس نے نہ چھوٹے نہیں شمس لہن کے نشان
 حرفِ غلط بن گئی عصمت پر کُشت
 اور ہوئی فکر کی کشتی مارِ رواں
 چشمِ فراسِ سپس بھی دیکھ چکی نہتِ سلاب
 جس سے دل لگوں ہوا منہ بیوقوفِ جہاں
 ملتِ رومی تراؤ کہنِ سرپرستی سے پیر
 لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جہاں

۲۲۶

بالِ جبریل

۱۰۲

روحِ سلماں میں ہے آج وہی اضطراب
رازِ حنائی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں
دیکھیے اس بحر کی ترے اچھلتے پر کیا
نہیں نیلوفرِ سری رنگ بدلتا ہے لیا

وادِی کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
نعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا فستاب
ساوہ و پرسوز ہے دخترِ ہفتاں کالیت
کشتیِ دل کے لیے سہیل ہے عہدِ شباب
آپ و ابنِ کبیرِ باتیرے لنگے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں
سیری نکا ہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

• وادِ کبیر، قُربہ کا مشہور دریا جس کے قریب ہی مسجدِ قُربہ واقع ہے

پروہ اُبھٹا دوں اگر چہ سِرۂ افکار سے
 لائن کے کافر نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو تہمت سلاب موت ہے وہ زندگی
 رُوح اُنم کی حیات کش مکش انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سوا ہے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں محمد کی فریاد

معتقد شہبیلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا یہ سپانسلے کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتقد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ آف دی ایسٹ میں شائع ہو چکی ہیں۔
 اک فن ان بے شر سینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

۲۲۸
 بالِ جبریل
 ۱۰۴۰

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغِ دو دم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی!

عبدالرحمن اول کا بویا ہوا الجھور کا پہلا درخت

سرزمین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں درج ہیں۔ مندرجہ ذیل
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درختِ مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سرور ہے تُو
 اپنی وادی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو
 مغرب کی چوٹ نے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی خور ہے تُو

۴۲۹
 بالِ جبریل
 ۱۰۵

پرویس میں ماصبور ہوں میں پرویس میں ماصبور ہے تُو

غریت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم حسر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامانِ شکم ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناساوری مبارک! پیدا نہیں حسر کا کنارہ

ہے سوز و رُوں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غریت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تُو خونِ سلاں کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نطس میں

۲۳۰

بالِ ہبریل

۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
 نیچے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرور تھے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنایا کے خونِ جگر میں!
 کیونکر خس و خاشاک سے دے جائے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شہر میں
 عنبرِ ناطق بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن
 تکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دکھایا بھی، سنایا بھی سنایا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نطرن میں نہ خبر میں!



۴۳۱
 بالِ ہیریل
 ۱۰۶

طارق کی دعا

(اندلس کے میدان جنگ میں)

عین زمی تیرے پراسرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحر اوریا
ہمٹ کر پہاڑ ان کی ہیت سے آتی
دو عالم سے کرتی ہے سیکانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ ثانی

خیابان میں ہے منتظر لالہ لب سے

قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تونے صحرِ اشیمنوں کو ملکیت
خبر میں نہ رہے میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی لظن میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نکاحِ سماں کو تلوار کر دے

۲۳۲
بالِ جبریل
۱۰۸

لینن (خدا کے حضور میں)

اے انفسِ آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تیری فِیات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے مالکہ نہیں ہے
ہر دم متغیتِ رتھے حُسنِ دل کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و اُزلی سے
بنیائے کو اک لب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جلتے ہوئے بندے
تو حنا لوقِ اعصار و نگارندۂ آفات!

۴۳۳
بالِ جبریل
۱۰۹

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات
 جب تک میں جیسا کہ افلاک کے نیچے
 کھنڈے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب یہ قانون نہیں رہتا
 جب رُوح کے اندر مست لاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے سبود
 وہ آدم حنّالی کہ جو ہے زیرِ مساوات؟
 مشرق کے حنّادوں و سفیدانِ مندرلی
 مغرب کے حنّادوں و خوشندہ فلّزات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
 رحمتِ انبیٰ تعمیر میں رونق میں صفا میں
 گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں منکوں کی عمارات

۴۳۴
 بالِ جبریل
 ۱۱۰

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک کا لالھوں کے لیے مرلِ مفاجات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و غریانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں منہ گلی مدہنیت کے مستوحات
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چومحسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بشارت
 ہے دل کے لیے موتِ شینوں کی حکومت
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نطن سر آتے ہیں کہ اس
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات
 مہینے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی منکر میں پیرانِ خرابات

۲۳۵
 بالِ جبریل
 ۱۱۱

چہروں پہ جو سُرخِ نطن آتی ہے شرم
 باعثِ ازہ ہے یا ساعتِ دروینا کی کرامات
 توفت اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرِ یارِ پستی کا سینہ؟
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات !

فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے نام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ کرازل ! ترا نقش ہے نام ابھی
 خلقِ خدا کی لحات میں رند و فقیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی کروشِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہرِ مالِ مست تیرے فقیرِ حالِ مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلندِ بام ابھی

۴۳۶
 بالِ جبریل
 ۱۱۲

دانش دین و علم و فن بندگی ہو س تمام
 عشق کرہ نشائے کافض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردگی نیام ابھی!

فرمانِ خدا

(فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو
 کرمات و غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 سلطانِ بسفور کا آلت ہے زمانہ
 جس کھیت سے ہمتاں کو میسر نہیں روزی
 کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
 حق را بسجودے صہماں را بطولانی
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے
 تہذیبِ نوئی کا دلہ شیشہ کراں ہے
 کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو
 کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
 جو نقشِ کفن تم کو نظر آئے، مٹا دو
 اُس کھیت کے ہر خوشہ لندم کو جلا دو
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بھجا دو
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو بکھا دو!

۲۳۷
 بالِ ہبریل
 ۱۱۳

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’در پنج آدم زان ہمہ بوستان تھی دست رفیق سوئے دوستان‘

قلبِ وطن کی زندگی وشت میں صبح کا سماں

چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود

دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں

سُرخ و لہو و بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب

کوہِ اہم کو دے کیا رنگِ بزمِ طلیساں

کرو سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل وصل کئے

ریاکِ نواح کا طمہ نرم ہے شلِ بریاں

اک بجھی ہوئی اجڑے ٹوٹی ہوئی طنابِ اوصہر

کیا خبر اس مقام سے کزے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸
بالِ جبریل
۱۱۲

اتی صدا سے جبریل تیرا مسم ہے یہی
 اہل سراق کے لیے عیشیں دوام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مے حیات
 گنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ
 کیا نہیں ہیں اور غمِ زخمی کا کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل سرم کے سوتا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ کرم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تختِ طا
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کدہ تصور ات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، جبریل بھی ہے عشق
 مکر نہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

۴۳۹
 بالِ جبریل
 ۱۱۵

ایہ کائنات کا مہربانی و مریاں تو
 نکلتے ترقی تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 جلو تیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 جلو تیان مے لدہ لم طلب و تہی لدو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
 باوجود سہاکی موج سے نشوونمائے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو
 خونِ دل جو کس سے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رک ساریں رواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیسے تابدار را
 نوح بھی تو، تسلیم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ ابلہ زندہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۴۴۰

بالِ جبریل

۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 فترۂ ربیک کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
 شوکتِ سحر و سیم تیرے جلال کی نمود
 فقرِ حسیں و بایزید سیرِ اجمال بے نقاب
 شوقِ ترا الرنی ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
 تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقلِ غیاب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے و تارے جہاں کرو ششِ آفتاب کے
 طبعِ زمانہ تازہ کر حبِ لولہ بے حجاب کے
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں سرکہ لہن ہوا
 عشقِ تمام مصطفیٰ، عقلِ تمام بولہب

۲۲۱
 یالِ جبریل
 ۱۱۴

گاہ بچیدہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرکبِ آرزو، حجب میں لذتِ طلب
 عینِ وصل میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 کہ چہ بہانہ جو رہی یہ سیرِ نکالے ادب
 کہ میری آرزو فراق، شورِ شیں ہلے وہ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جنگلو

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جنگلو
 پروانہ کی منزل سے بہت دور ہے جنگلو
 کیوں آتشیں بے سوز یہ مغرور ہے جنگلو
 کیوں آتشیں بے سوز یہ مغرور ہے جنگلو

اللہ کا شکر کہ پروانہ نہیں میں درِ یوزہ کبر آتشیں بیگانہ نہیں میں

۲۲۲
 بالِ ہبریل
 ۱۱۸

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاویدان کا سُراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار کو نہ منہ روغ و ہزار کو نہ منہ رانغ!
ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلتِ درواری
خراب کر لیتی شاہیں بچے کو صحتِ زراغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ
ٹھہرے سکانہ کسی حنِ نقاہ میں اقبال
کہ ہے ظرفِ دُشمن اندیشہ و شکستہ داغ



۲۲۳
بالِ جبریل
۱۱۹

کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زندہ زیرک نے کہا
 ہے ہمارے شے سدا کا والی کداتے بے حیا
 تاج پسٹا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
 کس کی عسیرانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
 اس کے لب لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
 تیرے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
 اس نے نعمت خانے کی ہر چیز مانگی ہوئی
 دینے والا لون ہے مردِ غریب و بے نوا
 مانگنے والا کدایے صدقہ مانگے یا خراج
 کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب کدایا

(ماخوذ از انور سی)

۴۴۴
بالِ جبریل
۱۲۰

ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا
 حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیرِ کبر
 خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و بہشت
 نہیں فرووس مقامِ بدل و تال و اقول
 بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی شہادت
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد و رہبانیت تھی سما کی کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر بلند ہی ہے یہ سربزیری

۴۴۵
 بال جبریل
 ۱۲۱

سیاست نے مذہب سے سچا چھڑایا
 چلی کچھ نہ چرچا کر کلیسا کی پیروی
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی
 ہو س کی اسی سہمی ہو س کی وزیری
 دوتی ملک دیں کے لیے نامرادی
 دوتی چشم تہذیب کی نابھیری
 یہ عجز ہے ایک صحرا شیر کا
 بشیری ہے اسینہ دارندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی اروشیری

الارض للہ!

پاست ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھترسم سے بادِ سازگار
 خال یہ کس کی ہے کس طے یہ نورِ آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سکھلاتی ہے غمے انقلاب؟

۴۴۶
 بالِ جبریل
 ۱۲۲

وہ خدا یا! یہ زمین سیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں تیری نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنکی، ترے تالیں ہیں ایرانی
لو مجھ کو رلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسرو بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زورِ سیدی تجھ میں نہ استغنا ہے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس پینر کو تہذیبِ انصر کی جہت میں
کہ پایا میں نے استغنا میں سراجِ سلمانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ جو نو بید، نو بیدِ نوالِ علم و فن ہے
انیسِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

۲۲۷
بالِ جبریل
۱۲۳

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے کنسبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لڑ پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں کے کہتا تھا عقاب سالخورد
اے ترشہ سپر یہاں فوجت چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخن کوئی سے ہے تلخ زندگانی انجہیں
جو کبوتر چھپنے میں مزا ہے اسے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی ہیں

لالہ محراب

یہ کنسبد بیگمائی، عجب الم تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

۲۲۸
بالِ جبریل
۱۲۲

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی
 حنائی ہے ظہیوں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 توشعدہ سینائی میں شعلہ سینائی
 توشاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی اک لذت یکتائی
 نعمت احسن محبت کا اندھ حساب ہو
 ہر قطرہ دریا میں دریا کی ہے کسراتی
 اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنورلی انگلی
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکراتی
 ہے کرمی آدم سے ہر شکارتہ عالم کرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے بادبیا بانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوڑی، سرمستی و عنائی!

۴۴۹
 بالِ ہیریل
 ۱۲۵

ساقی نامہ

ہوا خمیرِ زن کا روانِ بہار
 گلِ دُرس و سوسن بسترِ
 جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
 فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
 وہ جوئے کُستاں اچھلتی ہوئی
 اچھلتی، پھسلتی، سنہلکتی ہوئی
 رُکے جب تو سہل چیر دیتی ہے یہ
 ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
 پلاوے مجھے وہے پردہ سوز
 وہے جس سے دُشنِ خمیرِ حیات
 وہے جس میں ہے سوز و سازِ ازل
 رزمِ بن کیسا دامن کو بہار
 شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
 لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
 ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
 اُٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
 بڑے پیچ کھاکر نکلتی ہوئی
 پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
 سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
 کہ اتنی نہیں فصلِ گلِ روزِ روز
 وہے جس سے ہے مستیِ کائنات
 وہے جس سے کھلتے ہیں رازِ ازل

۲۵۰
بالِ جبریل
۱۲۶

اٹھا سا قیامِ پروہ اس راز سے
لڑا دے ممو لے کو شہِ راز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
نیرانی سیاست کرمی خوار ہے
کیا دور سرمایہ ارمی کی ہے
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
دل طور سینا وں رازِ دہیم
مسلمان ہے توحید میں کرم جوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
حقیقت خرافات میں کھولتی
لُبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدستِ حق میں مرد
نیارِ آل ہے باز بدلے گئے
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
زمین میر و سلطان سے بیزار ہے
تماشا دکھا کر مدارِ می کی ہے
ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مکرول ابھی تاس کے زمار پوش
بتانِ عجم کے چہرے ہی تمام
یہ اُمت روایات میں کھولتی
مکر لذت شوق سے بے نصیب
نُقت کے بکھیروں میں اُلجھا ہوا
محبت میں کیتا، حمیت میں فرو

۲۵۱
بالِ جبریل
۱۲۶

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر ملا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حند کو غلامی سے ازاو کر جوانوں کو پیروں کا استواو کر

ہری شاخ ملت تیرے غم سے ہے نفس اس بدن میں تیرے غم سے ہے

ترپنے پھر ٹکنے کی توفیق دے دل مر تضحیٰ، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شب زندہ واروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ لکرو اب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ ترکی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تلبیاں

۲۵۲

بالِ جبریل

۱۲۸

مرے مالہ نیم شب کانیا
مری خلوت و انجمن کا لدا
اُمسنگیں مری، آرزوئیں مری
امیدیں مری، بستجوتیں مری
مری فطرت اتنی روزگار
غیر الان افکار کا مزار
مراول، مری رزم کا جیسا
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبوت
یہی کچھ ہے ساقی مستی و فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے فاصلے میں لٹوے اے

لٹاؤں، ٹھکانے لگاؤں اے!

و مادام رواں ہے یہم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج و دود
گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
خوش آتی اسے محنت آب و گل
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کسی بے چلوں بے نظیر
یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومات
پسند اس کو تکرار کی خوشیں
کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

۲۵۲
بال جبریل
۱۲۴

من و تو سے ہے انجمنِ فہرین
مگر عینِ نسل میں خلوتِ نشین
چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
یہ چاندی میں سونے میں پلے ہیں
اسی کے سپاہاں اسی کے بیول
اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں ٹھول
کہیں اس کی طاقت کے گہسار چور
کہیں اس کے پھندے ہیں بیل و حور
کہیں بسترِ شاہین سیابِ بند
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنک
کہو تر کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حال میں ماضی و

فریبنے کے سکون و نبات
ترپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کراہ و ان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے ثوراز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفرِ زندگی کے لیے برک و سائے
سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبائے
الچھ کر سنبھلنے میں لذتِ اسے
ترپنے پھڑکنے میں راحتِ اسے
نہو اجب اسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴

بالِ جبریل

۱۳۰

اتر کر جس ان مکافات میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
 گل اس شاخ سے ٹٹتے بھی ہے
 اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات
 ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
 بڑتی سیہ جولان بڑی زووس
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے
 دھوکے کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
 خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے، راز و رُونِ حیات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند
 اندھیرے اُجالے میں ہے تابناک
 سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 ازل اس کے پیچھے ابد سمنے
 من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی
 ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 دوا دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

۲۵۵
 بالِ جبریل
 ۱۳۱

سبک اس کے ہاتھوں میں تنگ کر لے
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک رول
 سفر اس کا انجام آفت زہ ہے
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 کمرن چاند میں ہے شرر شک میں
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 نشیب فراز و پس و پیش سے
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر
 ہوتی خاکِ آدم میں صورت پذیر

خودی کا شین تیرے دل میں ہے

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زہرِ ناب
 وہ ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 رہے جس سے دنیا میں لرون بلند
 فروغِ مالِ محسوس سے درگزر
 خودی کو نگہ رکھ، ایازمی نہ کر
 وہی سجدہ ہے لائقِ اتہام
 کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم، یہ منکامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بت خانہ چشم و کوش
 خودی لی یہ ہے منزلِ اولیں
 یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مسافر! یہ تیرا شین نہیں

۲۵۶

بالِ جبریل

۱۳۲

ترمی آگ اس خاک واں سے نہیں جہاں تجھ سکے، تُو جہاں سے نہیں
 بڑھے بسا یہ کوہِ کراں توڑ کر طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیرِ مولا، جہاں اس کا صید زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود کہ حنائی نہیں ضعیفِ سیرِ جو
 ہر اک منتظرِ تیرے یمنار کا تری شوخی و سکرو کردار کا
 یہ مقصدِ گردشِ روزگار کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
 تُو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت تجھے کب باتوں تری سرِ نوشت
 حقیقت یہ ہے جامہٴ حرفِ تناک حقیقت یہ ہے آئینہٴ گفتارِ زندگ
 فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس مگر تاپِ گفتارِ لہتی ہے بس!

اگر یک سرِ نموے برترِ پریم
 منہ روغِ تجلی بسوزِ پریم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے اک حرفِ محرم
 قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا شتاق ہے نہ مان
 ہری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواثِ ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی سب روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں، لیکن جدِ اجدادِ رسمِ راہ میری
 کسی کا رالِب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شرابِ محض، قصورِ سیل ہے یا کہ تیرا
 ہر اطرعت نہ نہیں کہ رملہ لوں کسی کی خاطر سے شبِ بستان
 میرے جسم پہیچ کو نجومی کی آنکھ پہنچا سکتی نہیں ہے
 ہدف سے بیکانہ تیرا کس کا نظر نہیں جس کی عارف نہ

۲۵۸
 بالِ جبریل
 ۱۳۴۲

شفق نہیں سہری افق پر یہ جھٹکتے جھٹکتے جھٹکتے
 طلوعِ منہ کا منتظر رہ کہ دوشِ امروز ہے فنا
 وہ گزرتا جس نے غماں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اُسی کی بیتاب بکلیوں سے خطر میں ہے اُس کا اشیانہ
 جو آئیں اُن کی فضا میں اُن کی ہمسند ران لے جہاز اُن کے
 کرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تفتدیر کا بہانہ
 جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پر مر رہا ہے
 جسے منہ نئی نعمتِ ابروؤں نے بتا دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے کُشتِ تیز لکین چہرے اپنا جلا رہا ہے
 وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروا



۴۵۹
 بالِ جبریل
 ۱۳۵

فرشتے اوم کو جست و خست کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے دُش شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹن کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری مود ہے، لیکن
ترمی ہر شست میں ہے کو کبی ورتابی
جمال اپنا الرخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خواہی
کہاں بسلتے ترا لریہ سر کاہی
اسی سے ہے تر نخل لہن کی شاہی

ترمی نواسے ہے پردہ زندگی کا خمیر
کہ تیرے ساؤ کی طرستے کی ہے مضرئی

روح ارضی اوم کا استقبال کرتی ہے

لکھول آنکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ وہیم ورجا دیکھ!

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۳۶

ہیں تیرے تصرف میں بادل کھٹکتے ہیں
کیسے بد فداک یہ خاموش فضا میں
یہ کوہِ حیرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں شین نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو
سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
ناپید ترے بحرِ خستیل کے کنارے
پہنچیں کے فلک تک ہی ہوں کشتارے
تعمیرِ خودی کے اثرِ آہِ رسا دیکھو

خورشیدِ جہاں تاب کی ضوِ تیرے شمر میں
ابا ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
چھتے نہیں بخشے ہوتے فروغِ نظر میں
جنتِ تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گلِ کوششِ سہیم کی بزاؤ دیکھو

نالندہ ترے غم کا ہر تارا زل سے
تو جنسِ محبت کا سریدار ازل سے
تو پیرِ غم خانہ اسرار ازل سے
محنت کش و نحوں یز و لم ازار ازل سے
چراگِ تبستِ دیر جہاں تیری ضاؤ دیکھو



۴۶۱
بالِ جبریل
۱۳۷

پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینا سے ہے جاری جوتے نگوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بدول زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درویش! یاوے مجھ کو ترا حرف بلند
نخک مغز و خشک نار و خشک پست
از کج بامی آید ایں آواز دوست
دور حاضر مست چنک و بے سُرور
بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲
بالِ جبریل
۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

اے یورپ با فروغ و تاب نال
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

برسماں راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مریعے کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درو کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کند
سوتے ماوراکہ تیمار ت کند

مرید ہندی

اے بختیاری مے دل کی نشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

۲۶۳
بالِ جبریل
۱۳۹

پیر رومی
نقشِ حق را ہم بہ امرِ حق شکن
برز جاجِ دوست گنبدِ دوست زن

مرید ہندی

ہے نکاحِ ساراں سُخو غریب
خو جنت کے ہوشِ سُخو غریب

پیر رومی

ظاہرِ تکرارِ سپید است و نو
دستِ جامِ ہم سیدِ کرواڑو

مرید ہندی

اے مکتب کا جوانِ کرمِ نحوں
ساحرِ افرنک کا صیدِ زنبوں

پیر رومی

مُرخِ پرنارِ ستہ چوں پراں شود
طعمِ ہر کربہ و تراں شود

۴۶۴
بالِ جبریل
۱۲۰

مرید ہندی

تاج اکویش دین وطن جوہر جاس پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازر بشب
انتظار رومی وارو دوسب

مرید ہندی

سیر آدم سے مجھے آگاہ کر خال کے قریے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شراپشہ آربو چرخ
ہنشر آمد محیط ہفت چرخ

مرید ہندی

خال تیرے نور سے روشن بھر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

۲۶۵
بال جبریل
۱۲۱

پیر رومی

آدمی ویدا است، باقی پوست است
ویدا آن باشد کہ وید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتارے اُمتیں مرقی ہیں کس آزارے؟

پیر رومی

پیر ملاک اُمت پیشیں کہ بود
زانکہ جہنم لکساں بڑ نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درد
ہیچ قوے راحت دُر سوانہ کرد

۲۶۶
بالِ جبریل
۱۲۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سونے میں ہے مڑوں کا سُود؟

پیر رومی

زیرِ کیل بنش جیسرانی سحر
زیرِ کیل طن است جیسرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فقیرِ بے گلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شریکِ سستی خاصانِ بد! میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدرا

۴۶۷
بالِ جبریل
۱۴۳

پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال ز اغاں را بگورستان برد

مرید ہندی

کار و بار خسروی یا راہی کی ہے آخر غایتِ دین نہی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ما جنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمیں زو چوں سمند
چوں جنازہ نے کہ برکردن برند

۲۶۸
بالِ جبریل
۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتما نہیں کس طرح آتے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شوقیامت ابس

ویدن ہر چیز را شرط است اس

مرید ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ ارز و صید عشق است و بس

لیکن او کے گنجد اندر و ام کس!

مرید ہندی

تجہ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

۴۶۹
بال جبریل
۱۴۵

پیر رومی

وانہ باشی مرغکانت جہیں
غنچہ باشی کو دکانت برکت
وانہ پنہاں کن سراپا دام شو
غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کتلاش
طالب دل بکش و پیکار باش
جو مراد دل ہے مے سینے میں ہے
میرا جو ہر سہرا تھے نہیں ہے

پیر رومی

تو بھی کوئی مراد دل نہ بہت
دل فراز عرش باشد نے بہت
تو دل خود را ولے پنداشتی
مستجوے اہل دل بگداشتی

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۲۶

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا فکری بند
میں زمیں پر خوار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
ٹھوکریں اس اہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں میرے بس کا نہیں کار زمیں
اہ دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

پیر رومی

اں کہ برافندال رخا شرب
بر زمیں رستن چہ دشوار شرب

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و وقت آید از نان حلال

۴۷۱
بال حبیبیل
۱۲۷

مریدِ ہندی

ہے زمانے کا تفت اضحا بحمن اور بے خلوت نہیں سوزِ سخن!

پیرِ رومی

خلوت از اغیار بایک نے زیاد
پوستیں بہرِ دے آمد نے بہار

مریدِ ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں بہت سیر و زنا

پیرِ رومی

کارِ مرواں روشنی و کرمی است
کارِ دونماں حیلہ و بے شرمی است



۲۷۲
بالِ جبریل
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد و پرینے کیسا ہے جس ان رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر کھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فوج

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس از سے
کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سب
اب یہاں میری کوز ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

۲۷۲
بال جبریل
۱۲۹

جس کی نو سیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا؟

جبریل

لکھو دیے انکار سے تُو نے مقامِ تَبْلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جُرأت کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جاہِ عَمَل و حسد کا تار و پو
دیکھتا ہے تُو فقط ساسل سے زخمِ شہر
کون طوفان لے طمانچے لھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیا کس بھی بے دست و پا
میرے طوفانِ یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی سنو ت ستر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو زنجیں گر کب کس کا لہو!

۴۷۲
بالِ جبریل
۵۰

میں لکھ سکتا ہوں دلِ نرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سخن نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مزید، ادا فہم سے تفتید
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زُہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لکڑیابِ شب کو رے کیا چم کو سزاوار
بولا مہِ کامل کہ وہ کو کب ہے بزمِ زینبی
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذتِ بیداریِ شب کے
اُونچی ہے تریسے بھی یہ حالِ پر اسرار

۲۷۵
بالِ حبیبیل
۱۵۱

انگوٹش میں اس کی وہ تھمتی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سید
 ناکاہِ فضیلت بانگِ اذان سے چوتنی لہریں
 وہ نعرہ کہ پل جاتے ہیں جس سے دل کھسارے

محبت

شہیدِ محبت نہ کاوندِ نرغازی محبت کی رسمیں نہ تُرکی نہ تازی
 وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ نرمانہ میں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

میرِ نفعِ بہتر ہے اکھنڈی سے
 یہ آدمِ کرمی ہے وہ آئینہ سازی



۲۷۶

بالِ جبریل

۱۵۲

ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و خوشانی
تو اے مسافرِ شبِ انوارِ چراغِ بنِ اپنا کمر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا مستِ امِ پیدا کر نیازِ ماہِ مہینے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس ہے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے ظام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ لراںِ فرناک کے احساں سفالِ ہند سے یسنا و جام پیدا کر
میں شاخِ تال ہوں سیریِ غزل ہے میرا مے مے لالہ و فامِ ام پیدا کر

مرا طریقِ آسیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچِ عسیری میں نام پیدا کر



۲۷۷
بالِ جبریل
۱۵۲

فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر بریں ہے کیا!
 سمجھا نہیں سلسلِ شام و بحر کو میں
 اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ الٰہیوں
 ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
 لعلت نہیں مرے سخنِ زندگی کا راز
 لاؤں کہاں سے بندۂ صااحبِ نطن کو میں
 حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے تمہیں
 رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہ صحر کو میں
 ”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



۲۷۸
 بالِ جبریل
 ۱۵۴

یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خدیوے اک بھر زرا شوب و پراسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
اس عہد کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغِ رہِ سراسر ہے رومی

جواب

کہنبداید خورد و جو ہمچوں خراں اٹھوانہ درختن چراغواں
ہر کہ گاہ و جو خوردتسرباں شود ہر کہ نور حق خوردتسراں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تک و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تفتِ دیر کے راز

۲۷۹
بالِ جبریل
۱۵۵

جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے لدا ز
 جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمگیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صفِ جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر
 جوشِ کردار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مکر و فرصتِ کردار نفسِ مایوس
 عوضِ یک دوس قبر کی شبِ ٹمٹمے و راز
 ”عاقبت منزلِ ماوا دہی خاموشانِ است
 حالیہ غلغلہ و رگسبِ افلاک انداز“

مسو لینی

نُدرستِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 نُدرستِ فکر و عمل کیا شے ہے ملتِ کاشاب

۲۸۰

بالِ جبریل

۱۵۶

نڈرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سنب خارِ اسل ناب
 رومتہ الکتب سے بولے لوگوں پہ یوں تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بیدار است یارب یا بہ خواب
 چشمِ پیران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 یہ محبت کی حرارتِ تیرا، یہ نمود
 فصلِ گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسمور ہے
 زخمِ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیضِ یہ کس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی زندگانی شعلِ شعاعِ آفتاب



۲۸۱
 بالِ ہبریل
 ۱۵۶

سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عظام و فرومایہ کو میری

پنجاب کے درہقان

بتا کی تری زندگی کا ہے از
ہزاروں برس سے ہے تو خال باز
اسی خال میں دب گئی تیری اک
سحر کی ازاں چو لہتی اب تو جال
زمین ہیں ہے کو خالیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں اب حیات
زمانے میں جھوٹا ہے اُس کا نگین
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ
رُسوم کُھن کے سلاسل کو توڑ
یہی دینِ محکم، یہی مستحباب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

سجاک بدن وائے دل نشاں
کہ ایں وائے واروز حاصل نشاں

۲۸۲
بالِ جبریل
۱۵۸

نادر شاہ افغان

خضر حق سے حلالے کے نولوتے لالا

وہ ابر جس سے رک گُل ہے مِشَل تمار نفس

بہشت راہ میں بھٹا تو ہو کیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آئی کہ منہ سطر ہے ترا

ہرات و کابل غم زنی کا سبزۂ نورس

سرشکِ دیدۂ نادر بہ داغِ لالہ فشاں

چناں کہ آتشِ اورا دلفن و زَن نشان!



۲۸۳
بالِ جبریل
۱۵۹

خوشحال خاں کی وصیت

قباہل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ جو نام فہم انیوں کا بلند
محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند
مغل سے کسی طرح کست نہ ہیں قہستان کا یہ بچہ از جہند
کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی لڑو سبند

ماتاری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمت امہ ہرن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال!

✽ خوشحال خاں چٹک پستہ زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آغروم تک اُس کا ساتھ دیا۔ اِس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

۲۸۲
بالِ جبریل
۱۶۰

روائے دین و ملت پارہ پارہ
مراایاں تو ہے باقی و بس کن
قبائے ملک و دولت چاک و چاک
نہ لکھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک
ہواستے شند کی موجوں میں محسور
سمرقند و بخت راکھ خاک

بلند کرد خود چپ اندک بے ستم

بلا نیک شتری و من بیک ستم

یکایک پل گئی خاک سمرقند
شوق آمیز تھی اس کی سفیدی
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
الرحم صبور ہیں مردان تاتار
صدائے آتی کہ میں ہوں رُوح تیمور
نہیں اللہ کی تعذیر محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور

’خودی را سوز و تابی دیکرے وہ‘

’جہاں را انعتابے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر چہ تو بہت دیدیج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگرماں اور
احوال و مقامات یہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زمان اور مسکاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
علا کی ازاں اور، مجاہد کی ازاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گر بس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول یہ کرتا تھا ہمیشہ کز اوقات

✽ ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۲۸۶
بالِ جبریل
۱۶۲

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان ترو تازہ معرّی نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران * و لزومات *
 اے مرغِ غلبِ سیح پارہ! ذرا یہ توبہ تُو
 تیرا وہ گُنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرِ ضعیفی کی سزا مرلِ مفاعیات!



* غفران — رسالۃ الغفران، معرّی کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے
 * لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سنیما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے سنیما ہے یا صنعتِ آرمی ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافرِی تھا یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا یہ مذہب حاضر کی سودا کرمی ہے

وہ دُنیا کی مٹی، یہ دُرخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاکستری ہے

پیمائش کے پیرا دوں سے

حاضر ہوا میں شیخ مجاہد کی لحد پر
وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
اس خاک کے دُروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لئے
جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

۲۸۸
بالِ جبریل
۱۶۴

وہ پسند میں سرمایہ بخت کا نگہباں
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فستہ ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 آتی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنز، لشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کئے فقر سے ہو طرہ دستار

باقی کلمہ فقر سے مھتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین برائے ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرزند میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک مُہرہ نامہ
 فرزند سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

۴۸۹
 بال جبریل
 ۱۶۵

فقر

اک منقر بکھاتا ہے صیاد کو پنجیری
 اک منقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لیری
 اک منقر سے قوموں میں سکینی و دلیری
 اک منقر سے مٹی میں خاصیت اکیسیری
 اک منقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
 میرا شمسانی ساریہ شبیری!

خودی

خودی نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
 یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدہ و عجم جس کے سرے سے روشن بھر
 ”زبہرِ درم مند و بد خو مباش
 تو باید کہ باشی درم کو مباش“

۲۹۰

بالِ جبریل

۱۶۶

جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے رواسے نوری
عالم ہے خموشِ مست کو یا ہر شے کو نصیب ہے حضوری
دریا، لُہار، چاند، تارے کیا جانیں فسراق و ماصہوری

شایاں ہے مجھے غمِ جُدائی
یہ ناک ہے مہرِ مِجُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوؤں نہیں
اور آتما بھی نہیں مجھ کو سخنِ ساری کا فن
”قم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفنِ خال!
جاں لاغرو تنِ سر بہ و ملبوس بدنِ زیب
دلِ نزع کی حالت میں، خردِ نچستہ و چالال!
نپاک ہے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پال!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ ہشتی
ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں غمِ ناک؟
جسمِ نور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب سیری ضرورت تہِ افلال!



۴۹۲

بالِ حبریل

۱۶۸

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ مستاع کراں بسا، اُس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک وز مرغ صحرا سے
ستم یہ عنیم کدۂ زناک و بولی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی الہ ربال و پر عطا کرتا
شکفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم احباب
دیا جواب اُسے خوب مرغ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا اُسو ہے تو پیدا
جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اُس کا
وجود جس کا نہیں جذب خال سے آزاد

۴۹۳
بالِ حبریل
۱۶۹

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارتِ کر
جس کی صنعت ہے رُوحِ انسانی
نکتہ دلپذیر ہے یہ کہ گویا ہے حکیم و ستارانی
”پیشِ خورشیدِ برکشِ یوا“
خواہی ار صحنِ حنا نہ نورانی“

فلسفی

بندِ بال تھا، لیکن نہ تھا جور و غیور
حکیم سے محبت سے بے نصیب ہا
پھر افضاؤں میں لکس اگرچہ شاہین وار
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب ہا



۲۹۲

بالِ جبریل

۱۴۰

شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ داس سے کنارا
بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
نہ باؤب ساری نہ کچیں، ٹلیس بیل
خیابانیوں سے ہے پرپینہ لازم
ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
حمام و کبوتر کا ٹھوکا نہیں میں
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
یہ پورب یہ پچھیم جلوں کی دنیا
جہاں رُزق کا نام ہے آب و نہ
ازل سے ہے فطرت مری اہربان
نہ بیار ہی نفی نہ عاشقتان
اواتیں ہیں ان کی بہت دسبر
جواں مولیٰ ضربتِ عنایاں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدان
لہو کرم رکھنے کا ہے ال بہان
مراسی گلوں آسمان بیکران

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



۲۹۵
بالِ جبریل
۱۴۱

باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہسیں مٹی کا دیا بھی
 لکھریہ کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
 شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
 مانند بُتوں چبھتے ہیں عصبے کے برہمن
 نذرانہ نہسیں، سودے پرانِ حرم کا
 ہر حرف تیرا لوس کے اندر ہے مہاجن
 میراث میں الی ہے انھیں سند ارثا
 زانگوں کے تصرف میں عتابوں کے نشین!

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
 جائے گا کبھی تو بھی اسی راہ کزر سے

۴۹۴

بالِ جبریل

۱۴۲

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جُرأت ہے تو افکار کی دنیا سے لزر جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے سرا
جب تک تُو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چھے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مُدّت سے یہودی سُود خوا
جن کی رُو باہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پند
خود بخود کرنے کو ہے پتے ہوتے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!
(ماخوذ از نطشہ)

۴۹۷
بالِ جبریل
۱۴۳

آزادی افکار

جو دُونی فطرت سے نہیں لائق پرواز
 اُس مُرغاب بیچارہ کا انجم ہے افتاد
 ہر سینہ نشین نہیں جبریل امین کا
 ہر منکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
 اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
 جس قوم کے اندر اچوں ہر بے کد آزاد
 کو فکیر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
 آزادی انکار ہے ابیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر
 ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے الگ
 کون ہیں تیرے اُب و جد کس قبیلے سے ہے تُو؟

۴۹۸
 بالِ جبریل
 ۱۷۲

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ مبارقہ شاپی اہل کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پائمال و خوار و پریشان درویش
تیرا امت کام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ اہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

۲۹۹
بالِ جبریل
۱۴۵

قطرہ

فطرت مری مانندِ سیمِ سحری ہے
رقار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
پہناتا ہوں اس کی قبا لالہ و گل کو
کرتا ہوں سحرِ کار کو سوزن کی طرح تیز

قطرہ

گل اپنے مُردیوں سے کہا پیرِ مغان نے
قیمت میں یہ معنی ہو رہا ہے چند
زہرِ اس ہے اُس قوم کے حق میں مے افروغ
جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند



۵۰۰
بالِ جبریل
۱۴۶



ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

نمبر کلیم

انکار نمازہ

اعظم خجک زانہ فر کما ہون
(بجانب)

۵۰۲
ضرب کلیم
۲

۵۰۲
ضربِ کلیم

۲

نہیں متام کی خاکِ طسعتِ آزاد
ہوائے سیرِ شالِ نسیمِ سدا کہ
ہزار چشمہ تری سدا رہے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیمِ سدا کہ

[illegible]

۵۰۴
ضربِ کلیم
۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

* اعلیٰ حضرت نواب محمد حسین صاحب دہلوی
فرماں رواں بھوپال کی خدمت میں

۵۲۱/۲۱

* ناظرین سے

۵۲۲/۲۲

* تمہید

۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

۵۲۵/۲۵

۱ صبح

۵۲۶/۲۶

۲ لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفسیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵
ضرب کلیم
۵

۵۲۹/۲۹	۴	معراج
۵۳۰/۳۰	۵	ایک فلسفہ زدہ سید زاوے کے نام
۵۳۱/۳۱	۶	زمین و آسمان
۵۳۲/۳۲	۷	مسلمان کا زوال
۵۳۲/۳۲	۸	علم و عشق
۵۳۲/۳۲	۹	احسان و احسانیت
۵۳۲/۳۲	۱۰	شکر و شکایت
۵۳۵/۳۵	۱۱	ذکر و بے ذکر
۵۳۶/۳۶	۱۲	ملائے حرم
۵۳۶/۳۶	۱۳	تقدیر
۵۳۷/۳۷	۱۴	توحید
۵۳۸/۳۸	۱۵	علم اور دین
۵۳۸/۳۸	۱۶	ہندی مسلمان
۵۳۹/۳۹	۱۷	ازادہ شمشیر کے اعلان پر

۵۰۶
ضرب کلیم

۶

۵۴۰/۴۰	۱۸	جہاد
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاتِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرناس زوہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	چندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو دوبارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	ذنیب
۵۵۰/۵۰	۳۰	نساز
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۰۷
ضربِ کلیم

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمقِ دل و دل	۳۳
۵۵۲/۵۲	ستی لروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتلندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فلف	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردانِ خدا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافر و مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روحِ محبتی اللہ علیکم السلام	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیتِ اسلام	۴۵

۵۰۸
ضربِ کلیم

۵۶۲/۴۲	۴۶ امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷ فقہ و راہبہ
۵۶۴/۴۴	۴۸ غزل (تیری مستع حیات علم بہت کفر نور)
۵۶۵/۴۵	۴۹ تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰ جنگ تہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱ السلام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲ جہان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳ لاہور و لکراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴ نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵ اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶ مکہ اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷ اے پیسہ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸ مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹ مروت سماں

۵۷۴/۷۴ پنجمانی سلمان ۶۰

۵۷۵/۷۵ آزادی ۶۱

۵۷۵/۷۵ اشاعت اسلام فرستان میں ۶۲

۵۷۶/۷۶ لا و الا ۶۳

۵۷۷/۷۷ اُمراتے عرب سے ۶۴

۵۷۷/۷۷ احکام الہی ۶۵

۵۷۸/۷۸ موت ۶۶

۵۷۹/۷۹ وشم باذن اللہ ۶۷

۵۸۱/۸۱ تعلیم و تربیت

۵۸۲/۸۲ مقصود ۱

۵۸۳/۸۳ زمانہ حاضر کا انسان ۲

۵۸۳/۸۳ اقوام شرق ۳

۵۸۴/۸۴ آگاہی ۴

۵۱۰
ضرب کلیم
۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحین مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مسنربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پیرا
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان میپو کی وصیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں اچھی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسرداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و فکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرتب خودی

۵۱۱
ضربِ کلیم
۱۱

۵۹۴/۹۴ مہمان عزیز ۱۹

۵۹۴/۹۴ عصر حاضر ۲۰

۵۹۵/۹۵ طالب علم ۲۱

۵۹۵/۹۵ آتھان ۲۲

۵۹۶/۹۶ مدد ۲۳

۵۹۷/۹۷ حکیم نطشہ ۲۴

۵۹۷/۹۷ استاذہ ۲۵

۵۹۸/۹۸ غزل (مئے کا منزل مقصود کا اُسی کو سراغ) ۲۶

۵۹۹/۹۹ دین و تسلیم ۲۷

۶۰۰/۱۰۰ جاوید سے ۲۸

عورت

۶۰۴/۱۰۴ مرد و فرنگ ۱

۶۰۴/۱۰۴ ایک سوال ۲

۵۱۲

ضرب کلیم

۱۲

۶۰۵/۱۰۵

۶۰۵/۱۰۵

۶۰۶/۱۰۶

۶۰۶/۱۰۶

۶۰۶/۱۰۶

۶۰۸/۱۰۸

۶۰۹/۱۰۹

۶۱۱/۱۱۱

۶۱۲/۱۱۲

۶۱۳/۱۱۳

۶۱۴/۱۱۴

۶۱۴/۱۱۴

۶۱۵/۱۱۵

پرودہ

حسوت

عورت

ازادی نسواں

عورت کی حفاظت

عورت اور نسیم

عورت

ادبیات، فنون لطیفہ

دین و ہنر

تخلیق

جُسنوں

اپنے شرے

پیرس کی مسجد

۵۱۳
ضربہ کلیم
۱۳

۶۱۵/۱۱۵	۶ ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷ نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸ مسجدِ ثبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹ تیاتر
۶۱۹/۱۱۹	۱۰ شعاعِ امتیاز
۶۲۰/۱۲۰	۱۱ امتیاز
۶۲۱/۱۲۱	۱۲ نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳ اہل شہر سے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴ غزل (دریا میں موتی، لے موج بے باک)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵ وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶ سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷ نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸ اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹ مخلوقاتِ شہر
۶۲۹/۱۲۹	

۵۱۲

ضربِ کلیم

۱۲

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۱/۱۳۱

۶۳۲/۱۳۲

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۴/۱۳۴

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۶/۱۳۶

۶۳۷/۱۳۷

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۹/۱۳۹

اقبال

۲۰

فنون لطیف

۲۱

صبح حسن

۲۲

حنا قانی

۲۳

رومی

۲۴

جست

۲۵

مرزا بیگل

۲۶

جلال جمال

۲۷

مصور

۲۸

سرو و لال

۲۹

سرو و حرام

۳۰

فواره

۳۱

شاعر

۳۲

شعر عجم

۳۳

۵۱۵
ضرب کلیم
۱۵

۶۴۰/۱۴۰

۳۴ نمبر سروران چند

۶۴۱/۱۴۱

۳۵ مرد بزرگ

۶۴۲/۱۴۲

۳۶ عالم نو

۶۴۲/۱۴۲

۳۷ ایجاب و معانی

۶۴۳/۱۴۳

۳۸ موسیقی

۶۴۳/۱۴۳

۳۹ فوق نطن

۶۴۴/۱۴۴

۴۰ شعر

۶۴۴/۱۴۴

۴۱ رقص و موسیقی

۶۴۵/۱۴۵

۴۲ ضبط

۶۴۵/۱۴۵

۴۳ رقص

۶۴۶/۱۴۶

سیاسیات مشرق و مغرب

۶۴۸/۱۴۸

۱ اشتراکیت

۶۴۹/۱۴۹

۲ کارل مارکس کی آواز

۵۱۶

ضرب کلیم

۱۶

۶۴۹/۱۴۹	۳	انتخاب
۶۵۰/۱۵۰	۴	خوشامد
۶۵۰/۱۵۰	۵	مناصب
۶۵۱/۱۵۱	۶	یورپ اور یہود
۶۵۲/۱۵۲	۷	نفسیات اسلامی
۶۵۳/۱۵۳	۸	بلشویک روس
۶۵۳/۱۵۳	۹	آج اور کل
۶۵۴/۱۵۴	۱۰	شرق
۶۵۴/۱۵۴	۱۱	سیاستِ افغان
۶۵۵/۱۵۵	۱۲	خوابِ بلی
۶۵۵/۱۵۵	۱۳	عنداموں کے لیے
۶۵۶/۱۵۶	۱۴	اہل مصر
۶۵۷/۱۵۷	۱۵	ابی سینیا
۶۵۸/۱۵۸	۱۶	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۵۱۷
ضربِ کلیم
۱۷

۶۵۹/۱۵۹	۱۷	جمعیت اقوام شرق
۶۶۰/۱۶۰	۱۸	سلطانی جاوید
۶۶۰/۱۶۰	۱۹	جمهوریت
۶۶۱/۱۶۱	۲۰	یورپ اور سوریا
۶۶۱/۱۶۱	۲۱	سولینی
۶۶۳/۱۶۳	۲۲	کھ
۶۶۳/۱۶۳	۲۳	استدباب
۶۶۴/۱۶۴	۲۴	لادین سیاست
۶۶۵/۱۶۵	۲۵	وام تہذیب
۶۶۶/۱۶۶	۲۶	نصیحت
۶۶۷/۱۶۷	۲۷	ایک نحری قزاق اور کندر
۶۶۸/۱۶۸	۲۸	جمعیت اقوام
۶۶۸/۱۶۸	۲۹	شام و فلسطین
۶۶۹/۱۶۹	۳۰	سیاسی پیشوا

۵۱۸

ضرب کاظم

۱۸

۳۱ نسیاتِ خلائی

۳۲ عنلاموں کی نسیاز

۳۳ فلسطینی عرب سے

۳۴ مشرق و مغرب

۳۵ نسیاتِ عالمی

محراب گل افغان کے افکار

۱ میرے کُشتاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کس

۲ حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام

۳ تری دُعا سے قضیہ تو بدل نہیں سکتی

۴ کیا چرخِ کج رو، کیا ہر گز کیا ماہ

۵ یہ بدرِ سیل، یہ غوغائے روارو

۶ جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد

۷ رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان

۶۶۹/۱۶۹

۶۷۰/۱۷۰

۶۷۱/۱۷۱

۶۷۲/۱۷۲

۶۷۲/۱۷۲

۶۷۳/۱۷۳

۶۷۴/۱۷۴

۶۷۵/۱۷۵

۶۷۶/۱۷۶

۶۷۶/۱۷۶

۶۷۸/۱۷۸

۶۷۹/۱۷۹

۶۸۰/۱۸۰

۵۱۹

ضربِ کلیم

۱۴

- ۸ زانغ کہست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر ۶۸۱/۱۸۱
- ۹ عشق طہنت میں نہ رو مایہ نہیں شل ہوس ۶۸۲/۱۸۲
- ۱۰ وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا ۶۸۳/۱۸۳
- ۱۱ جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب ووش ۶۸۴/۱۸۴
- ۱۲ لا دینی و لاسینی، کس پیچ میں الجھاٹو! ۶۸۴/۱۸۴
- ۱۳ مجھ کو تو یہ دُسیا نظر آتی ہے دلروں ۶۸۵/۱۸۵
- ۱۴ بے جبر آتشِ زندانہ چر شق ہے بُہا ہی ۶۸۶/۱۸۶
- ۱۵ ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ ۶۸۷/۱۸۷
- ۱۶ قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی ۶۸۷/۱۸۷
- ۱۷ آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیرلو ۶۸۸/۱۸۸
- ۱۸ ینکستہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے ۶۸۹/۱۸۹
- ۱۹ نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانی ۶۹۰/۱۹۰
- ۲۰ فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نجبانی ۶۹۱/۱۹۱



۵۲۰

ضربِ کلیم

۲۰

علی حضرت نور محمد اللہ خاف مانروائے مہو پال

کی خدمت میں

زمانہ با اہم ایسا چہ کر دو گشت

کسے نہ بود کہ اس داسماں فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگھر اس ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

۵۲۱
ضرب کلیمہ

۲۱

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہونے
تیرا نہ جان ہونے کے کا حریف نہ
یہ زور دست و ضربتِ کاری کل ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کرو اسے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے ملتا یہ حیات
فطرتِ لہو ترنگ ہے عینِ فلِ اُنہِ جلِ ترنگ



۵۲۲
ضربِ کلیم
۲۲

تہیہ



نہ دیر میں نہ حسم میں خودی کی بیداری
 کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی
 اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنکامے
 بُری ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی
 تری نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
 کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی
 زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
 ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

۵۲۳

ضربِ کلیمہ

۲۳

عطا ہوا حسن و خاشاکِ ایشیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی!



ترکست ہے قہرِ اس بالِ محرابِ آرائی
الرحیم تھے مے شالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگت ناز کے ٹوکر تھے اُن عنبریں کو
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ ہائے بلند
تڑپ سے ہیں فضا ہائے سیکڑوں کے لیے
وہ پر شکستہ کہ صحنِ سر میں تھے خورند
ترمی سزا ہے نوائے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۴

ضربِ کلیم

۲۴

اسلام اور مسلمان

۵۲۵
ضرب کا لیم
۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حُجَّ

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کس سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شہستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ موسیٰ کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں لکھتے گئے

۵۲۶
ضربِ کلیم
۲۶

لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

خودی کا سِر نہاں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 خودی ہے یہی سِر، فِساں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 یہ دُور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
 صنم کدہ ہے جہاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 کیا ہے تُو نے متاعِ عنبرور کا سودا
 فریبِ سود و زیاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
 بُتائیں وہم و گسّاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ
 خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زنجاری
 نہ ہے زماں نہ مکاں، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

۵۲۷

ضربِ کلیم

۲۷

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قراں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تسلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسدود پروں کا آئینہ
 'تن بہ تقدیر' ہے آج اُن کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو تا خوب، بدیج وہی خوب نہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر



۵۲۸

ضربِ کلیم

۲۸

معراج

دے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
 کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہوس کو تاراج
 مشکل نہیں یارانِ پسین بہر کرباز
 پر سوز اگر چہ نفسِ سیرِ دراج
 ناول سے سلمانِ عرفا اس کا شہما
 ہے سرِ سراپردہ جان نکلتا معراج
 تو معنی و انجسہم نہ سمجھا تو عجب کیا
 تے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا مستاج



ایک فلسفہ زدہ سید اے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 ہیکل کا صدف گھر سے خالی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 دنیا کی عشا جو بس اشراق
 میں اصل کا خاص و ممتاز
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 ہے فلسفہ میرے آب و گل میں
 اقبال اگرچہ بے پُندر ہے
 شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
 انجام حسرت ہے بے حضوری
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
 زنجاری گرہاں نہ ہوتا
 ہے اُس کا طلسم سب خیالی
 کس طرح خودی ہو لازمانی
 دستور حیات کی طلب ہے
 مومن کی اواں ندا تے آفاق
 اب امرے لاتی و سناتی
 میری کفِ خال برہمنز
 پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 سن مجھ سے نچتہ دل افز
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہیں فوقِ عمل کے واسطے موت

۵۳۰

ضربِ کلیم

۲۰

دیں مسکلب زندگی کی تقویم دیں سِرِّ محمدؐ و براءِ سیم
دل و رخنِ مستدی بند اے پورِ عشقِ زبوعلی چند

چوں ویدۂ راہ ہیں نداری
قایدِ تشری بہ از بخارمی

زمین و آسماں

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
آوروں کی نکاہوں میں وہ موسمِ ہونہراں کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ نہ درگاہوں کا
اے سالک رہا نہ کر سود و زیاں کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعار حکیم خاٹانی کی 'شحفۃ العراقین' سے ہیں

۵۲۱
ضربِ کلیم
۳۱

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تو نگر می سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور غنیور
قلندر می مری کچھ کم سکندر می سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال سبب مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آتش کار ہوا
قلندر می سے ہوا ہے، تو نگر می سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

۵۳۲
ضربِ کلیم
۳۲

بندہ تنحنہ و وطن! کرم کتابی نہ بن
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
 عشق کی کرمی سے ہے سرکہ کائنات
 علم مستام صفات، عشق تماشاے فوات
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
 علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پرپہاں جواب!
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تاج و تہیں
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحجاب!
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
 شور شر طوفاں حلال، لذت ساحل حرام
 عشق پہ بلی حلال، عشق پہ چاگل حرام
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

۵۳۳
 ضرب کلیم
 ۳۳

اجتہاد

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
 نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عمیق
 حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
 اہ محکموی تفتلید و زوال تحقیق!
 خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں
 ہوتے کس درجہ فقہانِ حرم بے توفیق!
 ان علاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
 کہ سکھاتی نہیں ہوسن کو غلامی کے طریق!

شکر و شجاعت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
 رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۲

ضربِ کلیم

۳۲

اک دولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خائب بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں
 مرغانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اُس دس میں تُو نے
 جس دس کے بندے ہیں عنِ سلامی یہ ضامنہ!

ذکر و نکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظمِ الاسماء
 مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقامِ فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان
 مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

۵۳۵
 ضربِ کلیم
 ۳۵

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
 تری نگرہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
 تری نماز میں باقی حلال ہے، نہ جمال
 تری اذال میں نہیں ہے مری خسرو کا پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
 ہے خوار زمانے میں کبھی جو سر ذاتی
 شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
 تقدیر نہیں تابع منطق و نطق ذاتی
 ہاں، ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
 تاریخ اُمم جس کو نہیں ہم بے چھپاتی

۵۳۶
 ضربِ کلیم
 ۳۶

مہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بڑاں صفت تیغ و پیکر نظر اس کی!

توحید

زندہ قوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط الٰہ ستلہ علم کلام
روشن اس ضو سے الظلمت کو دار نہ جو
خود سماں سے ہے پوشیدہ سماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دہی ہے
ثقل ہوا اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس از سے اقف ہے نہ ملا، فقط یہ
وحدت افکار کی بے وحدت کوڑا ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کوئے امام!

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
 کیا ہے جس کو خدا نے دل نطق کا ندیم
 زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
 دلیل کم نطق سری قصہ جدید و قدیم
 چمن میں تربیت غنچہ چو نہیں سکتی
 نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شرابِ نسیم
 وہ علم لم بصری جس میں ہمکنار نہیں
 تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!

ہندی مسلمان

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
 انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کدھر

۵۲۸
 ضربِ کلیم
 ۳۸

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارسی نہ ہے کافر
آوازِ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
”مسکین و لکم ماندہ وریں شکمش اندر“

ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مردِ مسلمان کبھی تو نے
کیا چپ نہ ہے فولاد کی شمشیرِ حکمروار
اُس بیت کا یہ مصرعِ اقول ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فنِ کرب مجھے صبرِ ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا حن اللہ جانبا ز ہے یا حیدرِ کزار

۵۳۹
ضربِ کلیم
۳۹

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کہے
 دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
 لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
 مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر
 تیغ و تفتاک دست مسلمان میں ہے کہاں
 ہو بھی تو دل میں موت کی لذت سے بے خبر
 کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
 کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
 تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی
 دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
 باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
 یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰

ضربِ کلیم

۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیم نواز سے
 مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے
 حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
 اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
 سو بار جوتی حضرت انساں کی قبا چاک
 تاریخ اُٹم کا یہ پیام اذلی ہے
 صاحب نظران! نشہ قوت ہے خطرناک
 اس سیل سبک سیر و زمین کیسے کے اس کے
 عقل و نظر و علم پہنچ رہے ہیں خس و خاشاک
 لا دیں ہو تو ہے زہر ہلا بھل سے بھی بڑھ کر
 جو دین کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

۵۴۱
 ضرب کلیم
 ۴۱

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
 ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
 اس کی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابلی سے
 تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و حکیم
 اب ترا دور بھی اسے کو ہے افست غیور
 کھاکتی زوہر منسرنلی کو ہوا سے زروسیم
 عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام
 کہ کرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



۵۲۲
 ضرب کاظم
 ۲۲

اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی چرچہ نزلِ تقویم، یہی اصلِ نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو الود ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فقیہ غیور'

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرۂ نسیاں ہے خودی
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خودِ نلر و خودِ کر و خودِ کسیرِ خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

۵۴۳
ضربِ کلیم
۲۳

سُلطانی

کہنے خبر کہ ہزاروں مستام رکھتا ہے
 وہ فہر جس میں ہے بے پردہ روح قرانی
 خودی کو جب نبطِ سرا آتی ہے قاہری اپنی
 یہی مستام ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی
 یہی مستام ہے مومن کی قوتوں کا عیا
 اسی مستام سے آدم ہے ظلِ سبحانی
 چہرہ بر وقمر نہیں ہے یہ عشقِ دوستی ہے
 کہ جب بر وقمر سے ممکن نہیں جہاں بانی
 لیا لیا ہے غلامی میں بستلا تجھ کو
 کہ تجھ سے ہونہ سکی فہر کی نگہبانی

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سر اسر سعوو) بھوپال میں لکھے گئے

۵۴۲
ضربِ کلیم
۲۲

مِثالِ ماہِ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود
 سرِ یدلی ہے سرنگی نے وہ سلما نی
 ہوا حریفِ مر و آفتاب تو جس سے
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

صوفی سے

ترمی نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
 تختِ لائت کی دنیا غریب ہے لیلین
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہِ ترمی
 بھلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



۵۲۵
 ضربِ کلیم
 ۲۵

آفرینانِ زود



ترا وجود سراپا تجسّنی انسانک
کہ تُو وہاں کے عمارت کروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حسّالی
فقط نسیام ہے تُو، زرنکار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے، نقطہ جوہر خودی کی نمود
کہ اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۴۶

ضربِ کلیم

۲۶

تصوف *

یہ حکمت ملکوتی، عیرِ علم لائوتی
 حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 تری خودی کے نگہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عسل جو مرہ و پرویں کا کھلتی ہے شکار
 شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہِ سداں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاضِ منزل (دولت کدہ سرسبز سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۲۶
 ضربِ کلیم
 ۲۷

چندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
 وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
 وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
 اتنی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداؤ
 اے مروجہ راہ کجہ کو وہ قوت نہیں حاصل
 جا بیٹھ کسی عنار میں اللہ کو گریاؤ
 مسکینی و محکومی و نویسی دی جاؤ
 جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کہ ایجاد
 ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
 ناواں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



۵۲۸
 ضرب کلیم
 ۲۸

غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ
 کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کُن کا چارہ
 ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
 نہ نہنک ہے نہ طُوفان، نہ خرابی کنارہ!
 تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
 نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزدہ ستارہ
 ترے نیستیاں میں ڈالا مرے نغمہ سحر نے
 مری خالِ پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
 نظر آئے گا اُسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
 جسے آکئی میسر مری شوخیِ نطنارہ



دُنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بُوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لہروں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
الکرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ ہے جسے تو کراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

۵۵۰
ضربِ کلیم
۵۰

وَحیٰ

عقل بے مایہ امانت کی سزاوار نہیں
 راہبر ہو وطن و تہذیب تو زبوں کار حیات
 فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
 سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تاری حیات
 خوب و ناخوب عمل کی ہو کردہ واکینہ
 گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
 بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
کریم کشمکش زندگی سے، مردوں کی
الزسکت نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر حاکم و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کہ عقل حسد او کی زو سے
عالم ہے عین سلام اس کے بدل ازل کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ ابھرتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی کُفّار

۵۵۲
ضربِ کلیم
۵۲

شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس را تا نہیں مجھ کو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

مرد کا شبستاں بھی اُسے کس نہ آیا
 آرامِ تلندر کو تیرِ خاک نہیں ہے
 خاموشیِ اندک تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائیِ افلاک نہیں ہے



قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنکامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بُنگاہِ قلندر سے کُزر جا
میں شستی و ملاح کا محتاج نہ ہوں کا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
توڑا نہیں جاؤ و مری میرے تیرا؟
ہے تجھ میں مُکھ جانے کی جرات تو مُکھ جا

مہر و مسد و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر



۵۵۲
ضربِ کلیم
۵۲

فسف

افکارِ جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
 پوشیدہ نہیں مردِ تسلندر کی نظر سے
 معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
 مدت ہوئی گزرا بھٹا اسی راہ گزر سے
 افسانہ کے پتھوں میں الجھتے نہیں دانا
 غواص کو مطلب ہے صدف کے گھر سے!

پیدا ہے فقط حلفتِ اربابِ جنوں میں
 وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
 جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل
 قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گھر سے
 یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفت
 جو فسف لکھانہ کیا خونِ جگر سے

۵۵۵
 ضربِ کلیم
 ۵۵

مردانِ خدا

وہی ہے بندہٴ خُرجس کی ضرب ہے کاری
 نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
 ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوشِ بدوش
 قلندرِ وقبِ پوشی و کلداری
 زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
 اُنھی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنکاری
 وجودِ انھی کا طوافِ بُتاں سے ہے ازاو
 یہ تیرے مومن و کافر تمام زُتاری!

کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پہنچا مجھ سے خُضر نے
 تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنگ کا تریاق؟

۵۵۶

ضربِ کلیم

۵۶

اگ نکتہ مے پاس ہے شمشیر کی مانند
 بُرندہ و صیقل زدہ و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افق ہیں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افراتک کے سید
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
 دُنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 جو بس کی نہ کہ زلزلہ عالمِ افکار

۵۵۷
 ضربِ کلیم

۵۷

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفتِ سَریاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزقِ حق و باطل ہو تو فولا دے مومن
افدا لے سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خالی ہے مگر سناں سے آزا دے مومن
بچتے نہیں لُجّش و حمام اس کی نظریں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
خُوروں کو شکایت ہے، کم امیر ہے مومن

❖ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸

ضربِ کلیم

۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علما باب کی تفسیر
 بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
 اُس کی غلطی پر علمائے تھے مُشتم
 بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
 اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں ازاو
 محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدا تے کن فکان! مجھ کو نہ تھا آدمِ سیر
 آہ! وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری تجلی سے کمالاں جو!

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستی فطرت نے سلجھائی ہے یہ حجت اے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
وے رہا ہے اپنی ازادی کو مجسوسی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



۵۶۰
ضربِ کلیم
۶۰

اے رُوحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا اتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
چرچند ہے بے فائدہ و راحلہ و زرا
اس کوہ و سیاہاں سے خدیٰ غم ان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ
آیتِ الہی کا نگہ بان کدھر جائے!

مذہبِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ حسنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیاتِ سبزی
 نہ اس میں عسکرِ کُن کے فسانہ و افسوں
 حقتِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون!
 عناصرِ اس کے ہیں رُوحِ القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ رُؤں!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صحابہ اُردا کرے
 ہے وہی سیرے زلمنے کا امامِ برحق
 جو تجھے خانہٴ سر و موجودے سے بیزار کرے

۵۶۲

ضربِ کلیم

۶۲

موت کے آنے میں تعجب کو دکھا کر رنج و دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے
دے کے احساسِ زبیاں یہ اللہ کرے
فقتہ کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فستق نہ ملے بیضا ہے امامت اُس کی
جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمان
تری نگاہ میں ہے ایک فہتر و رہبان
سکوں پرستی راہب سے فقر ہے ہینار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
پسند روح و بدن کی ہے و انمود اس
کہ ہے نہایت مومن خودی کی غیریانی

۵۶۲
ضربِ کلیم
۶۳

وجودِ صیرفی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فنا
 اُسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط زمانِ بولی طغیانی
 یہ فترتِ مردِ سماں نے لھو دیا جسے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیاتِ علم و ہمت کا سرور
 میری متاعِ حیاتِ ایک دلِ جاں جو
 معجزۂ اہلِ منکر و فسفہ پہ پہنچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمران و طور
 مصلحتِ کہہ دیا میں نے سماں تجھے
 تیرے نفس میں نہیں کرمی یومِ انشور

۵۶۲

ضربِ کلیم

۶۲

ایک زمانے سے ہے چاک لریباں مرا
 تو ہے ابھی پوش میں میرے جنوں کا قصوہ
 فیضِ نطنز کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہ اہلِ نطنز کے حصوہ
 خوارِ جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جنوہ فقر جو بس کا غبوہ

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے نکلتے پتے پیدہ سے پیدہ
 پودوں کو بھی احساس ہے بہنائے فضا کا
 ظلمتِ کدۂ خاکِ پستِ کمر نہیں رہتا
 ہر لحظہ سے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

۵۶۵
 ضربِ کلیم
 ۶۵

جُرات ہونو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید اتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریقِ شیخِ فقہیہ سنا نہ ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات میں کیا
ترمی نگاہِ عنِ لامانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فہرے ہے کتنا بلند شاپی سے
روشِ کسی کی لدا یا نہ ہو تو کیا کہیے!

۵۶۶

ضربِ کلیم

۶۶

الہام اور آزادی

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لیے ہمیز
اس کے نفس کرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرر امیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بے بدل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغِ غنِ سخنر خیز
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ بزمِ و پروریز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ کرا قوام ہے وہ ضرورتِ چنکیز



۵۶۷
ضربِ کلیم

۶۷

جان و تن

عقلِ مدت سے ہے اس بیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاکِ تیرہ کس جوہر سے ہے
سیری مشکل ہستی و شور و سرور و درد و داغ
تیری مشکل مے سے ہے ساغرِ مے ساغر سے ہے
اتر بلاطِ حرف و معنی، آخرت ملاطِ جان و تن
جس طرح انگِ قربا پوششِ اپنی خاکِ تر سے ہے

لاہور و کراچی

نظرِ اللہ پہ رکھتا ہے مسلمانِ غیور
موت کیا شے ہے فقط عالمِ معنی کا سفر
اُن شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدِ قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

۵۶۸

ضربِ کلیم

۶۸

اے، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں
 حرفِ 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
 مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
 ہاں، مگر عالمِ اسلام پر رکھتا ہوں نطن
 فاش ہے مجھ پر یہ قلابِ نبوی فام
 عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
 حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
 وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش
 جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

طاسم نوبود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قاور نہیں ہے جس پہ سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
المر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
نوجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہ اور جنیوا

اس فور میں اقوام کی صحبت بھی نہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم
تفنیقِ عقلِ حکمتِ افزائش کا مقصود
اسلام کا معنی صوت و فقط ملتِ آدم

۵۷۰

ضربِ کلیم

۷۰

کئے نے دیا خالِ حسنیہ کو یہ پیام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ اوم

اے پیرِ حرم

اے پیرِ حرم! رسمِ ورہِ خانقہ چھوڑ
مقصودِ سمجھ میری نوائے حسری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت!
دے ان کو سبقِ خوشگونی، خودِ غمیری کا
تو ان کو سکھا خارا شکافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کمری کا
دل توڑ گئی ان کا دوسریوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی جملہ دے مری آشفۃ سری کا!

۵۷۱
ضربِ کلیم
۷۱

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ موقوف
 یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
 مجدوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
 مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
 اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے بے بیزار
 نو میدانہ کرا چوئے مشکین سے ختن کو
 ہو زندہ کفن پوش تو میت اے سمجھیں
 یا چاک کریں مردِ ناداں کے کفن کو؟



۵۷۲

ضربِ کلیم

۷۲

مردِ مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
 گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
 قتاری و غتاری و قدوسی و جبروت
 یہ چار عناصر ہوں تو بتاتا ہے مسلمان
 ہمسایہ چربیلِ امیں بسندۂ خالی
 ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
 یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
 قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
 قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
 دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
 جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
 دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں، وہ طوفان

۵۷۳

ضربِ کلیم

۷۳

فطرت کا سرود اذلی اس کے شب و روز
 اہنگ میں بکتا صفت سورۃ رحمن
 بنتے ہیں مری کار کہ فکر میں اہم
 لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
 کرے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد
 تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
 چو کھیل مُریدی کا تو ہر تہ ہے بہت جلد
 تہاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
 یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد



۵۷۲

ضربِ کلیم

۷۲

ازادی

ہے کس کی یہ جرات کہ مسلمان کو ٹوکے
 حریت افکار کی نعمت ہے خدا داد
 چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس
 چاہے تو کرے اس میں فرنگی صہبائے
 شران کو باز چہ تاویل بن کر
 چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
 ہے مملکت چند میں اک طرف تماشا
 اسلام ہے محبوبس، مسلمان ہے ازاد!

اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دیں سے ہے خالی
 فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب پہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 قبولِ دین سچی سے برہمن کا مقام
 اگر قبول کرے دینِ مصطفیٰ، انگریز
 سیاہ روضہ سماں رہے گا پھر بھی غلام

لا وِ اَلَّا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیدا
 سفر خالی شبستان سے نہ کر سکتا الروانہ
 نہساؤ زندگی میں بہت 'لا'، انتہا 'اَلَّا'
 پیامِ موت ہے جب 'لا' ہوا 'اَلَّا' سے بیگانہ
 وہ ملتِ روح جس کی 'لا' سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقینِ جانو ہوا البریز اُس ملت کا پیما نہ



۵۷۶

ضربِ کلیم

۷۶

اُمراءِ عربؑ

کرے یہ کافر ہندی بھی خُبر آستِ کُفتار
اگر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی!
یہ نیکیت پہلے سلکھایا کیا کس امت کو؟
وہ سالِ مصطفویؐ، استِ ارقِ بولہبی!
نہیں وجودِ حدود و ثغور سے اس کا
مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی!

احکامِ الہی

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرومست

❁ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۷۷
ضربِ کلیم
۷۷

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوش ابھی خورند
 تقدیر کے پاس نہ بات جہاد است
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسبان

موت

لحہ میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوتا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



۵۷۸

ضرب کلیم

۷۸

مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ

جہاں الرحیم رکھوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
وہی زمین، وہی لہروں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
ترمی رکوں میں ہی نخل ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ



۵۷۹
ضربِ کلیم

۷۹

(1st) Life Extension

نظرات میں محبت و مہمانداری اور انصاف
حیاتِ نیک سے؟ حضور و اکرام و رفیع و مقرب!

ملاہوں
گاہ و شب میری رخصت ہے از در آئینہ
جاتے ہیں بلبلے گلستانِ میرے شہرِ محراب

جانت پور سب انسا زکے لکریں
مضط محمدی ہے محمدی کا مکتبہ کا مکتبہ

۵۸۱
ضرب کلیم
۸۱

تعلیم و تربیت

jabir.abbas@yahoo.com

مقصود

(سینورا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطوں)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصد

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کاہم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرومیکزوش صورتِ مار،
عقل کو تابعِ فرمانِ نطنس کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی لہر کا چوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سحر کر نہ سکا
اپنی جھمت کے حنم و ہیج میں ابھرا ایسا
آج تک نصیحت نہ نفعِ صبر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہتِ آق ان کو
انکھ جن کی ہوئی محکومیِ وقتِ سید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مذہبیت کہ جو ہے خود لب کوڑا

آگاہی

نظر سپہر پہ رکھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتم سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند کر دیکھا
وہی ہے مملکت صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحین مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیان سامری فن سے
کہ بزم خاوراں میں لے کے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲
ضرب کلیم
۸۲

نستی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیب دامن میں
پُرانی بھلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے غربت کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک جو خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسینِ جہانِ مرد و پروں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی پیش کیلئے فقط ذوقِ طلب ہے
 پنہاں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
 پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ مفت

سلطانِ ٹینیو کی وصیت

تو رہ نور و شوق ہے نہ نزل نہ کربول
 لیلی بھی ہم نشیں ہو تو محسن نہ کربول
 اے جوئے اب بڑھ کے ہو دریا سے تند تیز
 ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کربول
 کھویا نہ جا صدف کدۂ کائنات میں
 محسن کدۂ ابراہیم محسن نہ کربول
 صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
 جو عسل کا سلام ہو وہ دل نہ کربول

۵۸۶

ضربِ کلیم

۸۶

باطل دُوتی پسند ہے، حق لا شرک ہے
شرکت مسیّتہ حق و باطل نہ کر قبول!

غزل

نہ میں اُجسی نہ پسندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں سے بے نیازی
تو مری نطن میں کافر میں تری نطن میں کافر
تراویں نفس شماری مراویں نفس لدا زنی
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن نہ آیا
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتے تاب زندگی سے
کہ ہلا کی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

۵۸۷

ضربِ کلیم

۵۸۷

بیداری

جس بندہ حق ہیں کی خودی ہوکتی بیدار
 شمشیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
 اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
 ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق
 اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
 ٹوبندہ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق
 تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
 وہ پالی فطرت سے ہوا محرمِ عساق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
 کہ نشتِ خاک میں پیدا ہوا شمشیر سوز

۵۸۸
 ضربِ کلیم
 ۸۸

یہی ہے سترِ کلیمی ہر اک زمانے میں
چوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

آزادی فکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ
جو فکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فستہ بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجہ و طغزل سے کم شک و فہم
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دراں پایا
خودی ہو زندہ تو کسار پر نیان و سریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں ازاد
نہنگِ مُردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

حکومت*

ہے مُریدوں کو تو حقِ بات کو ارا لیکر
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستِ کربار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات
گرچہ اس دیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و سببِ نالوشات
قسمتِ بادِ مکر حق ہے اُسی ملت کا
انگلیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۹۰
ضربِ کلیم
۹۰

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
 موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
 بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطنہ سے
 پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
 آزاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
 کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
 آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
 محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات
 آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
 محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
 محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
 ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

۵۹۱

ضربِ کلیم

۹۱

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت کرمی و علم نباتات

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نطن
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخِ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



۵۹۲
ضربِ کلیم
۹۲

خوبِ رشت

ستارگانِ فضا ہائے نیلکوں کی طرح
تختِ است بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمودِ جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ حبیل
جو ہوشیہ میں پیدا، تبیح و نامحبوب!

مرکِ خودی

خودی کی موت سے مغربِ کاندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے بے تلاءِ جذام
خودی کی موت سے رُوحِ عربی بے تبتاب
بدنِ سراق و عجم کا ہے بے عروقِ عطام

۵۹۳

ضربِ کاہم

۴۳

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے لال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے چیرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھاتے سماں کا جسامۂ احرام

مہمانِ عزیز

پر ہے افکار سے ان مدر سے والوں کا ضمیر
خوب نامعوب کی اس فور میں ہے کس کو تمیز
چاہیے سنا نہ دل کی کوئی منزلِ حنالی
شاید آج تے کہیں سے کوئی مسافرِ عزیز

عصرِ حاضر

مُخنت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر پینز کو خام

۵۹۲

ضربِ کلیم

۹۲

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مُردہ، لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بھر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا سپاڑ کی ندی نے سنکینے سے
فتاویٰ کی وسرافت کی تری معراج!

ترا یہ حال کہ پامال و درہند ہے تُو
 مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
 جہاں میں تُو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
 کئے خبر کہ تُو ہے سنب خارہ یا کہ زجاج!

مدرسہ

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
 قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
 دل لرزتا ہے طعینِ انکشاف سے ترا
 زندگی موت ہے، کھودیتی ہے جب فوقِ خرافات
 اُس بُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
 جو یہ کہتا تھا حسد سے کہ بہانے نہ تراش
 فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہین بخشا
 جس میں کھدی ہے غلامی نے نگاہِ حقّاش

۵۹۶

ضربِ کلیم

۹۶

مدر سے نئے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریفِ بُنکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
ننگاہِ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے
خدا کا سینہ کر دوں ہے اس کا فکر بلند
کمند اس کا تختل ہے مے و سر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طہنت میں رہی اس کی
ترس ہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو اگر تربیتِ عمل بدخشاں
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُنیا ہے روایا کے پھندوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک وودو!
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ نہتہ و مانع اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

ملے گا منزل مقصود کا اُسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
 نہیں ہے بندہ حر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بریاں یہ کر رہا ہے تجھے
 ترمی نطن کر کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمانِ یک نفس و نفس
 چمک رہے ہیں مثالِ ستارہ جس کے ابلاغ

۵۹۸

ضربِ کلیم

۹۸

کیا ہے تجھ کو کست باہوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ!

تعلیم دین و دہم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
چونہ اخلاص تو دعوتِ نظر لاف و گزاف
اور یہ اہل کلیسا کا نطفِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اُس کی تفتیر میں سکومی بطن لومی ہے
قوم جو کرنے سلی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افراد سے غمِ سا مض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے کناہوں کو معاف



۵۹۹
ضربِ کلیم
۹۹

جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
 دربارِ شہنشی سے خوشتر
 لیکن یہ دورِ ساحری ہے
 سرِ چشمہٴ زمیں کی ہوا خشک
 حنائی اُن سے ہوا دستان
 جس لکھڑ کا مگر چرخِ پراغ ہے تو
 جوہر میں چولہا لالہ تو کیا خوف
 شاخِ گل پر چہکے ولیکین
 وہ جس پر ہے آدمی کہ جس کا
 دہشتانِ الرنہ ہوتی اس
 ”خافل منشینِ وقتِ بازی ست
 ہے اس کی نہاد کا منہ
 مردانِ خدا کا استمانہ
 انداز ہیں سب کے جاوید
 باقی ہے کہاں سے شبِ بام
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ
 ہے اس کا مذاقِ عارفانہ
 تسلیم ہو کو فتنہ نگیانہ
 کر اپنی خودی میں آشیانہ
 چھڑے ہے بحرِ بیکرانہ
 ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
 وقتِ نہر است و کار سازی ست“

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دلِ کرم
 پنچیر اگر ہو زیرِ کسِ چُست
 ہے اب حیات اسی جہاں میں
 غیرت کے طریقِ جستِ یقی
 اے جانِ پدِ انہیں ہے ممکن
 نایاب نہیں متاعِ لغتِ
 ہے میری بساط کیا جہاں میں
 اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے
 اللہ کی دین ہے جسے دے
 اپنے نورِ نسر سے کیا خوب
 فرماتے ہیں حضرتِ نطتِ نامی

”جاے کہ بزرگِ بایستِ بو“

فرزندِ منِ نثارِ دوستِ سو“



۴۰۱
ضربِ کلیم

۱۰۱



مومن یہ کراں ہیں شب و روز
 ناپید ہے بندۂ عمل مست
 دین و دولت ہستیا بازی
 باقی ہے منقطع نفس و رازی
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اللہ کی شان بے نیازی
 ہے اس کا مقام شاہ بازی
 بے سُرّہ نعلی و رازی
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی
 درپردہ تمام کار سازی
 بے تیغ و سناں ہے مرد غازی
 یہ فقر غیور جس نے پایا

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ فقیہی



۶۰۲
 ضربِ کلیم
 ۱۰۲



۶۰۳
خوب کاہم
۱۰۳

عورت

jabir.abbas@yahoo.com

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فتنہ کی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲

ضربِ کلیم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوشش !

پرودہ

بہت زنا ببدلے پہر بریں نے
خدایا یہ دُنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ اوم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نلکہ، آئینہ دل ہے مُکھڑ

۶۰۵
ضربِ کلیم
۱۰۵

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
 ہو جاتے ہیں افکار پر اسندہ و ابتر
 آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں لوہر
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر، لیکن
 خلوت نہیں اب دیرِ حرم میں بھی میسر!

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
 شرف میں بڑھ کے شریکِ شہستِ خال اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ محنوں
 مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی، لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

۶۰۶
ضربِ کلیم

۱۰۶

آزادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
 گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
 کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتبوب
 پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
 اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
 مجبور ہیں معذور ہیں، مروان خرد پسند
 کیا چیز ہے آرائش و قمیت میں زیادہ
 آزادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے ستور
 کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

۶۰۷
 ضربِ کلیم

۱۰۷

نے پروہ، نہ تسلیم، نہی چو کہ پُرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور تسلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرلِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



۶۰۸
ضربِ کلیم
۱۰۸

عورت

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو
راز ہے اس کے پیچھے کا یہی بُنکتہ شوق
اتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی اک کے اسرارِ حیات
کرم اسی اک سے ہے مگر کہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمِ ناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشو و



[illegible]

۶۱۰
ضرب کاہم



ضرب کاہم

ادبیات

فنون

دین و مہنر

سرود شعور سیاست، کتاب و دین و مہنر
 گہر ہیں ان کی کرہ میں تمام یکساں
 ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
 بلند تر ہے ستاروں سے ان کا شانہ
 اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
 نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ
 ہوتی ہے زیرِ فلک اُستوں کی رسوائی
 خودی سے جب ادب و دین ہوتے ہیں بیگانہ



۴۱۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲

تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
 کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا
 خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
 اس ابھو سے کیے سب بے قراریں پیدا
 وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
 جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
 خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
 ہوا نہ کوئی حسدائی کا رازواں پیدا
 ہوا تے ہشت سے بوجے رفاقت آتی ہے
 عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عناں پیدا



جُنوں

نُجسِ کج کر کی دُکاں شاعرِ مِٹاائی
 ستم ہے خوار پھرے دشتِ دُور میں دیوانہ
 کسے خبر کہ جُنوں میں کمال اور بھی ہیں
 کریں اگر اسے کوہِ وِلمر سے بیگانہ
 ہجومِ مدر سے بھی سازگار ہے اس کو
 کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے میرانہ

اپنے شعر سے

ہے کلمہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
 تُو ہوا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
 شعلے سے ٹوٹ کے مثلِ شرِ آوارہ نہ رہ
 اگر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

۶۱۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲

پیریں کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ پر کر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ سرمِ معنِ ربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ بازوں نے
تنِ سرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بُت خانہ
یہ بُت کد انھی غارت گروں کی ہے تعمیر
وہ شق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیت

عشق اب سپریمی عقلِ حسدِ ادا کرے
ابر کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے
گنہگار میں نئی رُوح کو آباد کرے
یا کہن رُوح کو تفتِ لید سے آزاد کرے

۶۱۵
ضربِ کلیمہ

۱۱۵

نگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
 شبابِ بستی و ذوقِ سرورِ عمرانی
 اندھیری است میں یہ چشکدیں ستاروں کی
 یہ سہری فلکِ نیلگوں کی پستانی
 سفرِ عروسیں قمر کا عساری شب ہیں
 طلوعِ مہر و سلوتِ سپہرِ سناپی
 نگاہ ہو تو بہ سائے نظارہ کچھ بھی نہیں
 کہ نہ جیتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



❖ ریاضِ منسزل (دولت کدہ سراسر سود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
ضربِ کلیم

۱۱۶

مسجدِ قوتِ اسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
 'لا الہ' 'مردہ' و 'افسردہ' و بے ذوق نمود
 چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
 کہ ایازمی سے دلگروں ہے مقامِ مسود
 کیوں سلسلاں نہ نخل ہو تری سنگینی سے
 کہ غلامی سے ہوا مثلِ زجاج اس کا وجود
 ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
 جس کی تنگی میں ہو سرکہ بود و نبود
 اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ لہذا
 بے تاب دروں میری صلوٰۃ اور درو
 ہے مری بانہاں ازاں میں نہ بلندی نہ شکوہ
 کیا لو ارا ہے تجھے ایسے سلسلاں کا وجود؟

۶۱۷
 ضربِ کاظم

۱۱۷

تیر

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
 حیات کیا ہے، اُسی کا سرور و سوز و شبات
 بلند تر مہ و پرویں سے ہے اُسی کا مہم
 اُسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات
 حریم سیرا، خودی غم کی یہ سیرا
 دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لالت و منات
 یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے
 رہا نہ تُو تو نہ سوزِ خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸
ضربِ کلیم
۶۱۸

شُعاع اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
 دُنیا ہے عجب حسین، کبھی صبح کبھی شام
 مدت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں
 بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہرِ ایام
 نے ریت کے دُڑوں پہ چپکنے میں ہے رات
 نے مثلِ صبا طوفِ گلِ لالہ میں آرام
 پھر میرے تجھے بلی لہو دل میں سما جاؤ
 چھوڑو چمنستان و بیابان و روبام

۴۱۹

ضربِ کلیم

۱۱۹



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 بچھڑے ہوئے خورشید ہوتی ہیں ہم آغوش
 ال شورے مغرب میں اجالا نہیں مسکن
 افرنک شینوں کے دھویں سے یہ پوش
 مشرق نہیں کو لذت نطسارہ سے محروم
 لیکن صفت عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
 اے مہر جہاں تاب نہ کریم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگر خور
 آرام سے فارغ، صفت جو ہر سیاب
 بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

۶۲۰

ضربِ کلیم

۱۲۰

چھوڑوں کی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں خواب سے وہ ان کراں خواب
 خاور کی امیدوں کا یہی خال ہے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب
 چشمِ پرویں ہے اسی خال سے روشن
 یہ خال کہ ہے جس کا غرغریزہ ورناب
 اس خال کے اٹھے ہیں وہ خواصِ سانی
 جن کے لیے ہر برپا شو بے پایاب
 جس سائے کے نسو کے حرارت تھی دلوں میں
 محسن کا وہی سار ہے بیکانہ مضرب
 بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے بڑھن
 تفتدیر کو روتا ہے سماں تہِ محراب
 مشرق سے پہنچتا ہے زائزہ مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرنا

۴۲۱
 ضربِ کلیم
 ۱۲۱

امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
 اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیرِ جنود
 مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
 عطا ہوا ہے مجھے ذکر و سکرو جذبِ سرود
 جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
 اسی جلال ہے لبِ برہنہ میں وجود
 یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں
 کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضرِ موجود
 غمیں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
 نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

✽ ریاضِ سنبل (دولت کدہ سر اسر سغود) بھوپال میں لکھے گئے

۹۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲۲

نگاہِ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
 کہ دڑے دڑے میں ہے ذوقِ آشکارائی
 کچھ اور ہی نطنس آتا ہے کاروبارِ جہاں
 نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
 اسی نگاہ سے محکم قوم کے فتنہ زند
 ہوئے جہاں میں سزاوار کارِ شرمائی
 اسی نگاہ میں ہے ستاہری جستاری
 اسی نگاہ میں ہے دبیری و غنائی
 اسی نگاہ سے ہر دڑے کو جنوں مسیرا
 سکھارہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی
 نگاہِ شوق میتِ نرسین اگر تجھ کو
 ترا وجود ہے قلبِ وطن کی رسوائی

۶۲۳
 ضربِ کلیم

۱۲۳

اہلِ مہر سے

مہر و مہر شتری چنڈ نفس کا سرور
 عشق سے ہے پائدار سیرِ خودی کا وجود
 تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پال
 تنگ سے تیرے لیے سُرخ و سپید و کلبو
 تیری خودی کا غیاث ہے کہ ذکر و فکر
 تیری خودی کا حضور عالم شعور و سرور
 رُوحِ الہی ہے تری رنجِ غلامی سے نزار
 تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجود
 اور الہِ بابر اپنی شرافت سے ہو
 تیری سپہ سالار جن کو ہے اسی پر مَحْنُو



۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۲

غزل

دریا میں موتی، اسے موج سے بے باک
 ساحل کی سوغات! خار و خس و خال
 میرے شرر میں بجلی کے جوہر
 لیکن نیتاں تیرا ہے نم نال
 تیرا زمانہ، تاثیر تیری
 ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
 ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
 جس نے سسے ہیں تفت دیر کے چاک
 کاٹل وہی ہے رندی کے فن میں
 مستی ہے جس کی بے مشت تال
 رکھتا ہے اب تک مہینہ شرق
 وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا رال

۶۲۵
 ضربِ کلیم
 ۱۲۵

اہلِ نطنس رہیں یورپ سے نومید
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شل شرّ تیری نمود
کون سمجھاتے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
کُشتیوں میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود
مکتبِ و مے کدہ جزوِ حسنِ نبون بندہ
بودن آموز کہ ہر سہم باشی و ہر خمِ اہری بود

سرود

ایا کہ اس سے نالہ نئے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نالہ

۴۲۶
ضربِ کلیم
۱۲۶

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے پے
 کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
 جھپتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے
 جس روز دل کی رمزِ بُختی سمجھ لے
 سمجھو تمام مرحلہ ہاتے بہر میں طے

نسیم و نسیم
 نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی
 کرتی رہی میں پیرہنِ لالہ و گلِ چال

۴۲۷
 ضربِ کلیم
 ۱۲۷

مجبور ہوتی جساتی ہوں میں ترکِ وطن پر
بے ذوق ہیں بسبل کی نوا ہائے طربِ ناک
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محسوس
خاکِ پسین اچھی کہ سرِ سرِ پروہ افلاک!

شبِ بنم
کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
گلشن بھی ہے اک سرِ سرِ پروہ افلاک

اہرامِ مصر
اس دشتِ جبرِ تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگاہیں اندال
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر!

۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

فطرت کی غلامی سے کرازاؤں ہنس کر
صیاد ہیں مردانِ مہر مسد کہ نچھیر!

مخلوقاتِ مہینے

ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ ہنس کی تعمیر
فاش ہے چشمِ ماثا پہ نہاں حنائے ذوات
نہ خودی ہے نہ جہانِ سحر و شام کے دور
زندگانی کی حرین نہ کشاکش سے بجات
آہ، وہ کافر بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے ہوئے لات و منات
تو ہے میت، یہ مہر تیرے جنازے کا امام
نظر آتی جسے مرثد کے شہستاں میں حیات



۶۲۹
ضربِ کلیم
۱۲۹

اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرید سندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہلِ نظر نہ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نطن کر لیا
مقصودِ ہمنہ سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفسِ یاد و نفسِ مثلِ شر کر لیا
جس سے دلِ دریا مُشتِ لاطم نہ ہو جوتا
اے قسطِ قنیاں وہ صدف کیا وہ لہر کیا

۶۳۰
ضربِ کلیم
۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سر کیا
 بے مجنزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیدی نہیں رکھتے وہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پُھول

شاید تو سمجھتی تھی وطن دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

شبِ نیم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دُور نہیں ہے

۶۳۱
 ضربِ کلیم
 ۱۳۱

صُبح

مانندِ صحرے کستان میں قدم رکھ
اے تیرا پا کوہِ شمسِ تو نہ ٹوٹے
ہو کوہِ وِسیا باں سے ہمِ اغوشِ لبیک
ہاتھوں سے تیرے امنِ انداک نہ چھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شجاعتِ عراقینِ اربابِ نطنس کا قزۃ العین
ہے پردہ شکافِ اس کا اوراکِ پردے ہیں تمام چاک و رچاک
خاموش ہے عالمِ معانی کہتے انہیں حرفِ لُن تہائی
پوچھ اس کے یہ خالِ اں ہے کیا چیز ہنگامۂ این اں ہے کیا چیز
وہ محرمِ عالمِ مکافات اک بات میں کہہ لیا ہے سوتا

خود بوبے چنیں جہاں تو اں بُد
کابلیس بساند بوبالبشر مُردا

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۲

رومی

غلط نہ کر ہے تری چشمِ نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک
گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تُو ہے نعمتِ رومی سے بے نیاز اب تک!

جدت

دیکھے تُو زمانے کو اگر اپنی نطرسے
اس لاک منور ہوں تھے نورِ حسرسے
خورشیدِ کمرے کسبِ ضیائیے شہرسے
ظاہر تری تفتِ دیرِ چوہیالے شہرسے

۶۳۳
ضربِ کلیم
۱۳۳

دریا مُستِ لاطم ہوں تری موج کمر سے
 شرمندہ ہو فطرت تری اعجازِ مہنر سے
 اغیار کے افکار و تجسس کی کدائی
 کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کافساد
 یہ زمین یہ دشت یہ کُھسار یہ چرخِ کبود
 کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
 کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
 میرزا بیدل نے کس خوبی سے کھولی یہ لکڑہ
 اہلِ حکمت پر بہت مشکل رہی بس کی کشود
 ”دل اگر میداشت وسعت بے نشان بود این چمن
 ز ناکے بیر و شست از بسکہ دنیا تنگ بود“

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۲

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
 ترے نصیبِ سلاطوں کی تیزی اور اک
 مری نظر میں یہی ہے جمالِ و زیبائی
 کہ سر بسجود ہیں قوت کے سامنے افلاک
 نہ جو بجلال تو حسن و جمال بے تاثیر
 زرا نفس ہے اگر نعمتِ سوسہ نہ اتنا شرناک
 مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبولِ و ہال
 کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرشس و بے بال

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام چوٹی مر کب تخیل
 چندی بھی سنسرتگی کا مستند عجمی بھی!

۶۳۵
 ضربِ کلیم
 ۱۳۵

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہرہ
 کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرورِ ازل بھی
 معلوم ہیں اے مردِ سنستیر کے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 اتنے فطرت میں دکھ اپنی خودی بھی!

سرودِ حلال

کھل توجہ تائے مغنی کے ہم زیرِ دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 ہے ابھی سینہ افلاک میں سپاس وہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایاز می سے مست آدم محمود

۶۳۶
 ضربِ کاغذ
 ۱۳۶

مر و انجسہم کا یہ تیر کہہ باقی نہ رہے
 تُو رہے اور تیرا زمزمہ نہ لاموجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں یہ سائن جوی
 منتظر ہے کہی طبع کا ابھی تک وہ سرود

سُر و حرام

نہ میرے ذکر میں ہے مضمونیوں کا سوز و سرور
 نہ میرا فن کر ہے پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے افسانہ ہو مجھ سے
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری نگاہوں میں نئے چنگ و رباب



۴۳۷
 ضربِ کلیم
 ۱۳۷

فوارہ

یہ آبِ جنو کی روانی، یہ پمپناری خال
مری نگاہ میں ناخوب سے یہ نطسارہ
اُدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ لے جوانِ عزیز
ملنسارِ زورِ دروں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیساں میں ہے محتاجِ نفس نے
شاعرِ تہ سے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
تا شیرِ سلامی سے خودی جس کی ہوتی نرم
اچھی نہیں اُس قوم کے حق میں جیسی
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبھو
ششیر کی مانند تہو سبزی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جسم و کُ
 چر لکھتے نہ یہ طور، نہ ہی برقِ تحسلی
 اللہ کرے جس قدر شوق نہ ہو طے!

شعرِ محرم

ہے شعرِ محرم کہ چڑھ کر ناکِ دل آویز
 اس شعر سے سکر ہوتی نہیں شیرِ غمِ تیز
 افسرِ وہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش ہے مرغِ سخنِ خیر
 وہ ضربِ اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس نے مستِ زلزل نہ ہوئی دولتِ پریر
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از ہر چہ باہرِ سبب نہ نمایند بہرِ پریر

۶۳۹
 ضربِ کلیم
 ۱۳۹

ہنسرو راں ہند

عشق و ہستی کا جنت ازہے تختیل ان کا
 ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
 موت کی نقشبت گم می ان کے صہنم خانوں میں
 زندگی سے ہنسراں برہمنوں کا بزار
 چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
 کرتے ہیں روح کو خوابِ بد، بدن کو بیدار
 ہند کے شاعر صورتِ گدہ و افسانہ نویس
 آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورتیں سوار



۶۴۰
 ضربِ کلیم
 ۱۲۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
 قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر نسیق
 پرورش پاتا ہے تفت لید کی تاریکی میں
 ہے ملکہ اُس کی طبیعت کا تقاضا نسیق
 انہن میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
 شمع محفل کی طرح سب کے جدا، سب کا نسیق
 مثلِ خورشیدِ سحرِ فکری کی تابانی میں
 بات میں سادہ وازادہ، معانی میں دقیق
 اُس کا اندازِ نثر اپنے زمانے سے جدا
 اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرانِ طریق



۶۴۱
 ضربِ کلیم
 ۱۴۱

عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
 خواب میں دکھاتا ہے عالمِ نو کی تصویر
 اور جب بانگِ اذان کرتی ہے بیدار اُسے
 کرتا ہے خواب میں دکھی ہوئی دنیا سیر
 بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خال
 رُوح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکریر

ایجادِ معانی

ہر چہند کہ ایجادِ معانی ہے چندان
 کوشش سے کہاں مردِ ہنرمند ہے آزاد
 خونِ رگِ سدا کی گرمی سے ہے تعمیر
 مینا جیسا فوطہ ہو کہ تختِ تازہ بر سرِ

۶۴۲
 ضربِ کلیم
 ۱۴۲۲

بے محنتِ پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا
روشن شہرِ تیشہ سے ہے خانہٴ فنا

موسیقی

وہ نہ سہی سہی خونِ غزل سہاگلی دہلی
کہ جس کو سن کے ترہہ سہاگلی نکال نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفیس سے زہرِ آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھر امین مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں کربانِ لالہ چال نہیں

ذوقِ نظر

خودی بے بند تھی اُس خوں گرفتِ چینی کی
کہا غریب نے جلاوے سے دمِ سزیر

۶۴۳
ضربِ کلیم
۱۴۳

ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تا بس نام کی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نعتِ جبریل ہے یا بانسِ سحرِ اہل!

قص و موسیقی

شعر سے دشن ہے جانِ خیر سیلِ اہرن
قص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
شعر کو یا روحِ موسیقی ہے رقص اس کا بدن!

۶۴۴
ضربِ کلیم
۱۲۲

ضبط

طریقِ اہلِ دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
یہ تکتہ پیر وانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ضبطِ فغانِ شہری فغانِ وباہری ہمیشی!

قص

چھوڑ پورپے لیے رقصِ بن کے نسیمِ بیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیمِ اللہی
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کا مودہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



۶۲۵
ضربِ کلیم
۱۲۵

<http://fb.com/ranajabirabbas>

۶۱۲۷
ضرب کلیم
۱۲۷

سایات شرق و مغرب

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
 بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رستار
 اندیشہ ہوا ششوی افکار پہ محسوس
 فرسودہ طرے یوں سے زمانہ ہوا بے سزا
 انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
 کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ آسرا
 شران میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
 اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کو
 جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
 اس فور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی نمرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے، دُش کا وہاب کو اراپے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ حسنہ ار کی نمائش، مرز و کج دار کی نمائش
جہانِ مغرب کے بُت لڑوں میں، طیشیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں ریزیاں چھپاتی ہے، عید کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوؤ و سازِ حیات
خودی کی موت ہے، یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولہ، انقلاب ہے پیدا
قریب الگ تہی شاید جہانِ پیر کی موت!

۶۲۹
ضربِ کلیم
۱۲۹

خوشامد

نہیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن
 اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
 کرتو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
 دستورِ نیا، اور نئے دور کا اعزاز
 معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
 کہہ دے کوئی اُلُو کو اگر رات کا شہباز

مناصب

ہوا ہے بندۂ مومن فسونی افرنگ
 اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم نال
 ترے بلبلِ مناصب کی خیر ہو یا رب
 کہ ان کے واسطے تُو نے کیا خودی کو ہلاک

۱۵۰
 ضربِ کلیم
 ۱۵۰

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
 شرابی کے کلم غلاموں کو کر نہیں سکتے
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جو ہر ادراک!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومت یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں سر و دم تسلی
 تاریکے افزائشِ شینوں کے دھوئیں سے
 یہ واہی امین نہیں شایانِ تحسلی
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جاں مرک
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مُثولی!



۶۵۱
 ضربِ کلیم
 ۱۵۱

نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی، حکما بھی
 حنالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
 مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
 یہ ایک ہے کوششِ شرحِ معانی میں سچا نہ
 بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رم آہو
 باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ،
 کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر ضامن
 تاویل مسائل کو بناتے ہیں ہبانہ



۶۵۲
 ضربِ کلیم
 ۱۵۲

ملشویا پس

روشن قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ خسیر جہاں میں ہے کیا بات
ہوتے ہیں کہ سر پر سیاہی کے واسطے مامو
وہی کہ حفظِ حلیہ سیاہ کو جانتے تھے نجات
یہ وحی دہریتِ رُس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود اس روز جو بکروز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہر سنگامہ و سدا
جس قوم کی تعزیر میں امروز نہیں ہے!

۶۵۳

ضربِ کلیم

۱۵۲

مشرق

مری نوا سے کریببانِ لالہ چاک ہوا
 نسیمِ صبحِ سپمن کی تلاش میں ہے ابھی
 نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
 کہ رُوحِ شرقِ بدن کی تلاش میں ہے ابھی
 مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
 زمانہ دارورسکن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیے یارب سیاستِ افرنک
 مگر ہیں اس کے پُجاری فقط امیر و رئیس
 بنایا ایک ہی ابلیسِ کس سے تو
 بنائے خاک سے اُس نے دوصد ہزار ابلیس!

۶۵۲
 ضربِ کلیم
 ۱۵۲

خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
 اہلِ سبب وہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں امام
 اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے نور
 سیکڑوں صدیوں سے خاکِ پریشانی کے عوام
 خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
 چُختہ ہو جاتے ہیں جب غوغا میں غلام!

علاموں کے لیے

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
 ایک نکتہ کہ علاموں کے لیے ہے کسیر
 دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
 ہوتے ہیں تختِ عہد کی بنا پر کسیر

۶۵۵
 ضربِ کلیم
 ۱۵۵

حرف اُس قوم کا ہے سوزِ نسل زار و زبوں
ہو گیا نچستہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر!

اہلِ مصر سے

خود ابوالہول نے نیکیت سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم
فہم تر جس سے بدل جاتی ہے تعتیدِ اُمم
ہے وہ قوت کہ صرف اس کی نہیں عقلِ حکیم
ہر زمانے میں دُلوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیرِ محمد ہے، کبھی چوبِ کلیم



۶۵۶

ضربِ کلیم

۱۵۶

ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۳۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
 ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
 ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرینہ قاش قاش!
 تہذیب کا کمال شرافت کا بننے وال
 غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
 ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
 اے وائے ابروئے کلیسا کا آئینہ
 رومانے کرو یا سر بازار پاش پاش
 پیسہ کلیسا ایہ حقیقت ہے دھڑکاش!



۶۵۷
 ضربِ کلیم
 ۱۵۷

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
 زُتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
 وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈرنا نہیں فرا
 رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
 فدِ عرب کو دے کے فرنگی تختِ ملات
 اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
 افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
 ملا کو اُن کے کوہ و دہن سے نکال دو
 اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
 انہو کو مرعزِ رختن سے نکال دو

✽ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸

ضربِ کلیم

۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی اک تیر
ایسے غزل سہرا کو چمن سے نکال دو!

جمعیۃ اقوام مشرق

پانی بھی مُسحّت نہ رہے ہوا بھی مُسحّت نہ
کیا ہو جو نگاہِ فلک پر بدل جائے
دیکھا ہے مُلوکیّتِ افراک نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہر ان ہو کر عالمِ مشرق کا جُنیوا
شاید کُردۂ ارض کی تعتیر بدل جائے



❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۹
ضربِ کلیم
۱۵۹

سُلطانی جاوِد

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
فطرت کو گوارا نہیں سُلطانی جاوِد
ہر چند کہ یہ شہدِ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں فیاض میں ملو کیت پر ریزا

جُمہوئیت

اس راز کو اک مُردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

✽ استنِ ال

۶۶۰
ضربِ کلیم
۱۶۰

جُہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹکا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سُوریا

فرنگیوں کو عطا خاکِ سُوریا نے کیس
نبیِ عفت و عتسم خواری و کلمِ ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سُوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری!

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسوس بلڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھلج
 میرے سوداے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجج؟
 یہ عجائب شعبہ کس کی ملوکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج
 ال سیر چو بے کی آبیاری میں ہے
 اور تم دنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائینوں کے خیم
 تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹے تختِ تاج
 پردہ تہذیب میں غارت گری آدم کشی
 کل زوار کھی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



۶۶۲

ضربِ کلیم

۱۶۲

کلمہ

معلوم کسے پسند کی الفت دیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نہیں ہے
 وہم تھاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مُردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
 جاں بھی لکڑی و غیسر بدن بھی لکڑی و غیسر
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ طین ہے
 یورپ کی عنلامی پہ رضا مست ہوا شو
 مجھ کو تو کلمہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

۴۶۳
 ضربِ کلیم
 ۱۶۳

جہاں شمار نہیں زنِ ٹنک لباس نہیں
 جہاں آرام بتاتے ہیں نسلِ مے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سیق
 طرعتِ آبِ جَد سے نہیں ہے بیزاری
 خسور و زریک و پُر دم ہے بچ پترِ بڑی
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری
 نطنِ فُرائینِ سرنگی کا ہے یہی نستوی
 وہ سرینِ مدیت سے ہے ابھی عساری

لا دینِ ستیا

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیزا پر من و دُوں نہاد و مُردہ سیر

۴۴۲
 ضربِ کلیم
 ۱۶۲

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے سالکی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
متابعِ غیب یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دائم تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ بیدار
یہ سپر کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
بجلی کے چراغوں سے منور کیے افکار
جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں عیضِ قد و شوا
ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

۶۶۵
ضربِ کلیم

۱۶۵

نصیحت

اک لڑکھنڈی نے کہا اپنے پیارے
 منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ پوسیر
 بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
 بڑے پہ اگر فاش کریں قاعدہ شیر
 سینے میں رہے رازِ ملوکا نہ تو بہت
 کرتے نہیں محکم کو تنگوں کے کچھنیر
 تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
 چو جائے ملائم تو جدھر چاہے اچھے پیر
 تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
 سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک چھسیر!



۶۶۶
 ضربِ کلیم
 ۱۶۶

ایک نغمہ قزاق اور سکند

سکند

جہلہ تیرا تیری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس فوجی جوان مڑی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں، شیموں کی رسوائی؟
تراپیشے سفاکی، مراپیشے سفاکی
کہ ہم قزاق ہیں، توں تو سیدانی، میں دریائی!



۶۶۷
ضربہ کلیم
۱۶۷

جمعیتِ اقوم

بچپاری کتنی روز سے دم توڑ رہی ہے
 ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
 تقدیر تو مُبسم نظر آتی ہے لیکن
 پیرانِ کلیسا کی دُعا یہ ہے کہ ٹل جائے
 ممکن ہے کہ یہ دُاشتہ پیرِ کافرِ ناک
 ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شامِ ولایت

رندانِ نیرایس کا یحیٰ نہ سلامت
 پُر ہے مے گھڑنا سے ہر شیشہِ حلب کا
 ہے خالِ فلسطین پہ یہودی کا لہرِ حق
 ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

۶۶۸
 ضربِ کلیم
 ۱۶۸

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستار
تخیلِ ملوکاتی و جذبہ ہائے بلند

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں منقطع الٰہ فلسفہ روباہی
ہوا اگر قوتِ منعمون کی درپردہ مُرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(ترکی وفدِ ہلالِ احمر لاہور میں)

کہا مجھ سا بدترکی نے مجھ سے بعدِ نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام
وہ سادہ مردِ ساجد، وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چسپیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دُنیا میں
انہی کے ذوقِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام

۶۴۰
ضربِ کلیم
۱۴۰

بدنِ عِسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب یہ حرام
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے
 ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
 تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرناک کی رگِ جاں پنجبہ یہود میں ہے
 سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
 خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے!

۶۶۱
 ضربِ کلیم

۱۶۱

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تفتلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ بے سہوری
نہ مشرق اس کے بری ہے نہ مغرب اس کے بری
جہاں میں عالم ہے قلب و نطن سر کی رنجوری

نفیساتِ حامی

(اصلاحات)

یہ ہے بے خبری صیاد کا پرہ
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صغیری
رکھنے لگا مڑھ جاتے پتے پھول قفس میں
شاید کہ اسیروں کو لو ارا ہو اسیری!



۶۴۲
ضربِ کلیم
۱۴۲

محراب گل افغان کے انکسار

۶۷۳
ضربہ کلیم
۱۷۳

محراب گل افغان کے افکار



میرے کُستیاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب و جد کی خال
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاپہنِ چرخ
لالہ و گل سے تھی نہ سببِ بل سے پاک
تیرے حسنِ پیچ میں میری ہشتِ بے
خالِ تیری عنبریں آبِ ترا تا بے نال



۶۷۲
ضربِ کلیم
۱۷۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبکِ حرم
 حفظِ بدن کے لیے رُوح کو کروں ہلاک!
 اے مرے فقرِ غیور! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چاک!



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں غریزہ نشو
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے درِ پرودہ اتہمِ موفو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویستا
 اتر لیا جو ترے دل میں لا شریک لہ



۶۴۵
 ضربِ کلیم
 ۱۴۵



تری دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
 تری خودی میں اگر نعتِ سلاب ہو پیدا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
 وہی شراب، وہی ہائے و ہُو رہے باقی
 طریقِ ساقی و رسمِ کدو بدل جائے
 تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
 مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
 سب راہرو ہیں واما ندۃ راہ

۶۷۶
 ضربِ کلیم
 ۱۶۶

کڑکا سکندر بجلی کی مانند
 تجھ کو خبر ہے اسے مرگِ ناکاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضربِ شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانِ باقی، کُہسارِ باقی
 اُٹھ کُہ رُشد! اُٹھ کُہ رُشد!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو زوہا
 محرمِ خودی سے جس دم پُہوا فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سُلطان کی درگاہ



۶۷۷
 ضربِ کلیم
 ۱۷۷



یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
 اس عیشِ فراواں میں ہے ہر لحظہ غم نو
 وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کعبہ جو
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
 اسبابِ ہنر کے لیے لازم ہے تاک و دو
 فطرت کے نواہیں پہ غالب سے ہنرمند
 شام اس کی ہے مانندِ صبحِ صاحبِ برتو
 وہ صاحبِ فن چاہے تو فن کی برکت سے
 ٹپکے بدنِ مہر سے شبنم کی طس خضو!



۶۷۸
 ضربِ کلیم
 ۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طوافِ اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہِ ہے یگانہ

اُس قوم کو تجلید کا سینہ مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازِ تجلید
مشرق میں ہے تفتلیدِ فرنگی کا بہانہ



۶۷۹
ضربِ کلیم
۱۷۹



رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان
تو بھی اے فرزندِ کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

اونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

۶۸۰
ضربِ کلیم
۱۸۰

ٹھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی وسعت انی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہمان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہمان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کورِ چشمِ بے ہنر
لیکن اے شہبازِ ابرہ مرغانِ صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے خبر

۶۸۱
ضربِ کلیم
۱۸۱

ان کو کیا معلوم اُس سارے کے احوال و مقام
رُوح ہے جس کی دم پرواز ستار نطس!



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل چوس
شہباز سے ممکن نہیں پرواز گھس
یوں بھی دست و پستان کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمین عین اول یہ کراں شل قفس
سفرِ آمادہ نہیں منتظرِ بانگِ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جرس!
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نطس آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرویش دل کی اگر نطس ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ نطس انداز ہے بس!

۶۸۲
ضربِ کلیم
۱۸۲



وہی جواں ہے قبیلے کی آئینہ کا تارا
 شبابِ سب کا ہے بے داغِ ضربِ بے کاری
 اگر ہو جنگ تو شیرانِ غائب کے بڑھ کر
 اگر چھو سہل تو عینِ نزالِ تاری
 عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
 کنیستاں کے لیے بسچے ایک چنگاری
 خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
 کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کزاری
 نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
 یہ بے گلاہ ہے سرمایہٴ کلداری



۶۸۳
 ضربِ کلیم
 ۱۸۳



جس کے رتوں سے منور تر رہی یہ سب دوش
 پھر بھی ہو سکتا ہے دوش چہ پرانغ خاموش
 مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ
 زندہ چہ سر کے لیے شہر تقدیر ہے دوش
 نہیں ہنگامہ پیکار کے لائق وہ جواں
 جو ہوا مالہ معرفت ان سحر مند ہوش
 مجھ کو ڈر ہے کہ طعنہ لازہ طبیعت تیری
 اور عیت سار ہیں یوں پے شک پارہ فروش!



لا دینی و لاسینی، س پیچ میں ابھارتو
 وارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الّاھو!

۱۸۲
 ضرب کلیم
 ۱۸۲

صہیاد معانی کو یورپ کے نو مہری
 دلکش ہے فضا ہین بے نام تمام اہو
 بے اثنا سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صہیاد ہے کافر کا، پنچ پر ہے مومن کا
 یہ دیر لہن یعنی تختی تہ زناں و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلا وادے
 ہے ان کی نسا زوں سے محراب شش اربو



مجھ کو تو یہ ذنیب نظر آتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے سحر و جینے کی تلافی
 ایسے سحر و تم سیری مناجات سحر کیا
 ممکن نہیں تخلیق خودی حنا نقہوں سے
 اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے کاش کر کیا



بے حرأت زندانہ ہر عشق ہے دُوباہی
 بازو ہے قومی جس کا، وہ عشق دُیلاہی
 جو سختی منزل کو سامانِ سحر سمجھے
 اے وائے تن آسانی اپنا پیدا ہے وہ راہی
 وحشت نہ سمجھ اس کو اے مروتِ مسیانی
 کُمار کی خلوت ہے تسلیم خود کاہی
 دُنیسا ہے روایاتی عقیقی ہے مناجاتی
 دروازہ عالم را، این است شہنشاہی

۶۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
 مشکل نہیں اے سالک! اب علم تیری
 فولا دوساں رہتا ہے شمشیر کے لائق
 پیدا ہوا اس کی طبیعت میں حریری
 خود دار نہ ہو فتروں سے قرہ الہی
 ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمتِ امیری
 افزناک ز خود بے خبرت کرو ورنہ
 اے بندہ مومن! تو بشیریٰ تو نذیریٰ!



قوموں کے لیے ہوتے ہیں مرکز سے جدائی
 ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی!

۶۸۷
 ضربِ کلیم
 ۱۸۷

جو فست تر ہوا تلخی دوراں کا کلمہ مست
 اُس فست میں باقی ہے ابھی بُوئے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیٹر
 جو مجبِ نرہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 درِ سر کہ بے سوز تو دوستِ قے نتواں یافت
 اے بندہ مومن تو لبائی تو کجائی
 خورشیدِ سار پر وہ شرق سے نکل کر
 پہنا مرے کسار کو بلبو حنائی



اگل اس کی ٹھونک دیتی ہے برناو پیر کو
 لاکھوں میں ایک بھی ہو الرضا حبیب یقین
 ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی بھی
 وہ مرد جس کا فست خُزف کو لے نہ جیں

۶۸۸
 ضربِ کلیم
 ۱۸۸

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے حسامۂ حق نے ترقی بسیں
 یہ سیکلوں فضیلت جسے کہتے ہیں آسماں
 ہمت ہو پرکشتا تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیر پر ایک تو یہی آسماں، زمیں!



نیکیت نہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انہیں نام وزیری و محسود
 ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کُسمار کی سلمانی
 کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زنتاری

۶۸۹

ضربِ کلیم

۱۸۹

وہی سرم پئے وہی عہدِ بارِ لات و منا
حُثْدا نصیب کرے تجھ کو ضربِ کاردی!



نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہ چلنے
نگاہ وہ ہے کہ محنتِ برجِ مُٹرا نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا یہ تمام انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی کستریاں لٹا نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے ترمی
ترے بدن میں الرسوزِ لا الہ نہیں
سُنیں گے میری صدا خانزاؤ کاں کبیر؟
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کُلاہ نہیں!

۶۹۰
ضربِ کلیم
۱۹۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
 یاسندہ صحرائی یا مرو و گستانانی
 و نیل میں محاسن ہے تہذیب فہوں کر کا
 ہے اس کی فستیری میں ساریہ سلطانانی
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
 بلبل چمنستانانی شہباز نیلانی
 اے شیخ ابہت اچھی محنت کی فضا، لیکن
 بنتی ہے سیاہاں میں ناروقی و سلمانی
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
 تلوار تپتی ہے زمیں میں صہبائے مسلمانانی



۶۹۱
 ضرب کاہیم
 ۱۹۱

۲۴
ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے
ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے

۴۹۲
ضرب کلیم
۱۹۲

ارمغان حجاز

اُردو

اقبال

۶۹۳
ارمغان حجاز

۲۲
ازین کتاب است در زیر زمر از خوشنماگر
نفسم کزین می آید خیر و با خیرای
نفسم کزین می آید خیر و با خیرای

۱
 خوشنویسان ایرانی
 در این سده
 در ایران
 در این سده

سرو قدیم ۲
محو از رخ کلام عارفانه
رخ دل در سرست عارفانه
سرسن لاله گویا لاله دین باغ
بیفت نام چو ششم دانه دانه !

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

۴۰/۹	۱	ابلیس کی مجلسِ شوریٰ
۴۱۳/۲۱	۲	بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو
۴۱۵/۲۳	۳	تصویر و مصوّر
۴۱۷/۲۵	۴	عالمِ برزخ
۴۲۱/۲۹	۵	مسنزل شہنشاہ
۴۲۲/۳۰	۶	دوزخی کی سناجاست
۴۲۳/۳۱	۷	مسعود مرحوم
۴۲۶/۳۴	۸	آوازِ غیب

۶۹۵
اصغانِ حجاز
۳

رباعیات

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے شرکیا ۷۲۹/۴۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۴۸
- ۳ ولرگوں عالمِ شام و سحر ۷۳۰/۴۸
- ۴ عنبر سی میں ہوں محسوسِ سری ۷۳۱/۴۹
- ۵ حسد کی تنگ دامانی سے نریا ۷۳۱/۴۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۵۰
- ۷ کہن ہنکار ہاتے آرزو سحر ۷۳۲/۵۰
- ۸ حدیثِ بندہ مومن دل آویز ۷۳۳/۵۱
- ۹ تمیزِ خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۵۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۵۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۵۲
- ۱۲ حسد دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۵۳
- ۱۳ کبھی دریا سے سشل موج ابھر کر ۷۳۵/۵۳

ملا زادہ شمس لولابی کشمیری کا بیاض

- ۱ پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب ۷۳۷/۲۵
- ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام ۷۳۸/۲۶
- ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور و فستیر ۷۳۹/۲۷
- ۴ کرم جو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو ۷۳۹/۲۷
- ۵ دُراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں ۷۴۰/۲۸
- ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات ۷۴۱/۲۹
- ۷ نکل کر حسن نقاجوں سے ادا کر رسم شبیری ۷۴۱/۲۹
- ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تواسے تو خیر ۷۴۲/۵۰
- ۹ کھنکھ چپسن میں کتب خانہ گل ۷۴۳/۵۱
- ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سند ۷۴۴/۵۲
- ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ ۷۴۵/۵۳
- ۱۲ دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے ۷۴۶/۵۴

- ۱۳ نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا ۷۴/۵۵
- ۱۴ چہ کافرانہ قمارِ حیاتِ می بازی ۷۴/۵۶
- ۱۵ ضعیفین سب کے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ ۷۴/۵۷
- ۱۶ حاجت نہیں اے خطہٴ کل شرح و بیاساں لی ۷۵/۵۸
- ۱۷ خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی ۷۵/۵۹
- ۱۸ ان عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر اور ۷۵/۵۹
- ۱۹ غریب شہرہوں میں سن تو لے مری فریاد ۷۵/۶۰



- ۱ صدر اکبرِ حیدری ۷۵/۶۱
- ۲ حسین احمد ۷۵/۶۲
- ۳ حضرت انساں ۷۵/۶۲



۴۹۸
ایمانِ حجاز
۶



۶۹۹
ایمان مجاز

اردو نظمیں

jabir.abbas@yahoo.com

ابلیس در مجلس خود

ابلیس

۱۔ یہ غاصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیا ہے دروں !
ساکنین عرش اعلم کہ تمہاری ہ خواہ !

۲۔ ~~سنو سپر~~ اس کے شربانی بیچ کرمان ہے وہ لاکھ پانچ
جسے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نون

۳۔ کونا کرنگا ہے اسے آتش خودی کو کر

حکے بٹھا مولا میرا ابلیس ! نند دروں
۴۔ چمچے دھندلے رنگی کو ملکوت ! غریب

نے پہنچے توڑا صومچد و دیرویکس ! فحوں !

۵۔ چمچے ناداروں کھلے ہاتھ تندر کا

نے پہنچے غم کو دیا کرنا یہ دل کا ! جنوں !

۶۔ شاخ چکا ہے چکا چکیا خیر یوں ہار کا آسان سے بلند
کونا کرنگا ہے اس کا کلک کن کو سزگوں !

۴۰۰
افغان مجاز

۸

انیس کی محفل شوریٰ

۱۹۳۶ء

انیس

عین صبر کا پُرانا کھیل، یہ دنیائے فُوں
ساکنانِ عشرِ عظم کی تستِ آؤں کا خون!
اس کی بربادی پہ آج اما وہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہاں کا فِوں
میں نے دیکھا دیا فرنی کو ملکوتیت کا خواب
میں نے توڑا مسجدِ دیر و کلیسا کا فسوں

۴۰۱
ارغوان مجاز

۹

میں نے ناداروں کو سکھایا سبقِ تفتدیر کا
 میں نے مُنعم کو دیا سزا داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہو اسیے کا سوزِ دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبِ یاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخلِ لہن کو سبزِ گوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ حکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پُختہ تر اس سے ہوئے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان سر یوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے سازِ بے قیام
 ارز و اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

۷۰۲

اصنافِ مجاز

۱۰

یہ ہماری سعی پیسہ کی کراست ہے کہ آج
 صوفی و ملاطفت کے بستہ ہیں ہم
 طبع شرق کے لیے مونروں ہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام!
 بے طواف و حج کا ہنگامہ الربانی تو کیا
 کُن ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نو میدی پہ چھتے ہیں فتنانِ جدید؟
 ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلمان پر حرام!

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغا کہ شر
 ٹوہنیاں کے تازہ فتنوں سے نہیں بے باخبر!

پہلا شیر

ہوں مگر سیر سری جہاں مہنی بتاتی ہے مجھے
جو ملکیت کا ال پروہ ہو گیا اُس نے خطرہ
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب فریاد مچا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میں و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان، بغیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام
چہرہ روشن، اندروں چنکیز سے تاریک ترا

۷۰۲
ایمان جہاز
۱۲

تیسرا شیر

روحِ سلطانِ سہی باقی تو پھر کیا خطِ سراج
ہے مگر کیا اس ہودی کی شرارت کا جواب؟

وہ حکیم ہے تجلی، وہ سیح ہے صلیب
نہیست پیغمبرِ یکن و بیکل دار و کتاب
کیا بست اؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب

اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے اقاؤں کے خمیوں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
اے سیر کو دکھایا ہم نے پھر سیر کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لیٹا ہوا
گاہِ بالہ چوں حسنِ نوبز گاہِ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اُس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افریقی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں شیر

(ابلیس کو مخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تُو نے جب چاہا، کیا ہر پردہ کی کو آشکار
اب کل تیری حرارت کے جہانِ سوز و سار
ابدِ جنت تری تسلیم سے دانائے کار

۷۰۶
امغان مجاز
۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
 ساوہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
 تیری غیبت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
 کچھ ہیں سیر مرید افزائے حسرت نام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ کز وہ رُوح مزوک کا برو
 قہر با سونے کو ہے اس کے جنوں سے تار مار
 زباغ و شتی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھا لئی آشفۃ ہو کر وسعت افلاک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اُمّ شتِ غیا
 فتنہ و فرائی سمیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کو ہزار و مگر ہزار و چوبیس

میر کے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہاں بنگلہ ہو
کیا زمین، کیا مہر، کیا آسمان، تو بٹو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشاِ غرب و شرق
میں نے جب کر ما دیا اقوامِ پورے کا لو
کیا امانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک بھو
کار کاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جامِ برباد

۴۰۸

ایمانِ حجاز

۱۶

دستِ فطرت نے کیلے ہیں جن کریبانوں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوئے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ کرد
 یہ پریشاں روزگارِ آشفتمنہ، آشفتمنہ
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے
 جس کی خاکستریں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو عالمِ وضو
 جانتا ہے بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزدِ کینتِ فتنہ فردا نہیں اسلام ہے



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری دنیا بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے بدھنیہ سارے پیرانِ حرم کی استیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لپے لیکن یہ خوف
 ہونہ جاتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 اٹھنا! اتین پیغمبر سے سوار الحذر
 حافظ ناموس رسدِ مردِ آزما، مردِ اندر
 موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
 نے کوئی غمخوار و خفاں نے فقیرِ ریشیں
 کرتا ہے دولت کو ہر اکوہی سے پال صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین!
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ نعمتیں

۷۱۰

ایمان مجاز

۱۸

ہے یہی ہستہ الہیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں شش جہات
ہونہ روشن اس خداوندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرکبیا یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق حق سے جدا یا عین ذات
اسنے والے سے سیح ناصر ہی مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں سرزند مریم کے صفا
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرعوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے پڑے لات و منا؟

تم ایسے جگہ نہ رکھو عالم کو اسے
 تابساطِ زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں ت
 خیر اسی میں ہے قیامت تہا ہے مہرِ غلام
 چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے شتاب
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غیبت
 جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
 ہر نفسِ ناہوں اس اُمت کی بیداری نہیں
 ہے حقیقت جس کے ہیں کی احتساب کا نیت
 مست رکھو ذکر و تسبیح کا پی میں اسے
 پنختہ ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے



۷۱۲
 اوفان مجاز
 ۲۰

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

پتھر سے بے سیاہاں کی ہوا تجھ کو لوارا

اس دشت سے بہتے ہر نہر ولی نہ بخارا

جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ واں پل

وادِی یہ ہر ساری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

غیر تھے بڑھی پسینہ جہان تک و دو میں

پہناتی ہے درویش کو تاجِ سداوارا

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہر کمر

کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

اندر ادکے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر نہر ہے ملتے ملتے تدر کا ستارا

مردم رہا دوستِ دریا سے وہ غوٹھیں

کرتا نہیں جو محبتِ ساحل سے کنار

۷۳
ایمان مجاز
۲۱

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر کر کہ رُوح و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُجھارا
 اللہ کو پامردی مومن پہ بے سرو
 بیس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تقدیر اُٹھم کیا ہے، کوئی کہ نہ سہی سکتا
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشار
 اندر عمل مانگے گا نہ کان کہن سے
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



۷۱۲
 اربعین حجاز
 ۲۲

تصویر و مصوّر

تصویر

کس تصویر نے تصویر کر سے
نمائش ہے مری تیرے ہنسے
بس کن کس دستِ درنا منصفی ہے
کہ تو پوشیدہ پہو یہی نطسے!

مصوّر

گراں ہے چشمِ سینا دیدہ ور پر
جہاں بینی سے کیا لڑی شہر پر
نظرِ درو غم و سوز و تب و تاب
تو اسے ناداں، قناعتِ کرب پر

تصویر

خبرِ عمتِ جبر و سر کی ناتوانی
نظرِ سر، دل کی حیا سب جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تاز
سزاوارِ حدیثِ لعلِ ترانی

مُصوّر

تو ہے میرے کمالِ استِ ہنر سے
نہ چو نویں اپنے نقشِ کر سے
مرے ویدار کی ہے اسی ہی شرط
کہ تُو نہ پاں نہ ہو اپنی نظر سے



۷۱۶

امغانِ صبح

۲۲

عالم برنخ

مُردہ اپنی قبر سے

کیا شے بنے کس امر و زکا فروا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ لہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مُردہ صمد! تجھے کیا نہیں معلوم
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مُردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھنکے میں گرفتار نہیں ہیں

۷۱۷
اصغان مجاز
۲۵

چہر چنڈ کہ نہوں مُردہ صُلاہ و لیکن
ظلمت کدہ خاکے بیزار نہیں میں
ہو زُوح پھر اک بار سوار بدن زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

صدائے غیب

نے نصیب مار کُڑ دُوم نے نصیب دُوم و دو
ہے فقط محکم قوموں کے لیے مرگ ابد
بائس اسرائیل اُن کو زندہ کر سکتی نہیں
رُوح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لحد

۷۱۸

ایمان مجاز

۲۶

قبر

(اپنے مُردے سے)

اے ہنسالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خال میری سونکا
تیری میت سے میری تاریکیاں تاریک تہ
تیری میت سے زمیں کا پردہ ناموس حال
الحذر! کوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سرفیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک!

صدائے غیب

گرچہ ہر ہے قیامت کے نظامِ ہست و بود
ہیں اسی اسلوب کے بے پردہ اسرارِ جو
زلزلے سے کوہ و دریاؤں تے ہیں مانند حساب
زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکستِ زندگانی کی کشود

زمین

آہ یہ مرکبِ دوام، آہ یہ رزمِ حیات
خستہم بھی ہو کی کبھی شکستِ کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارفِ عامی تمام بندۂ لات مہنات
خوار ہوا کس قدر آدمِ یزداں صحنات
قلبِ نظر پر کہاں ایسے جہاں کائنات
کیوں نہیں ہوتی سحرِ حضرتِ انساں کی رات؟



۴۲۰
ایمان مجاز
۲۸

معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ نیکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اس لرزہ کثیت میں فاش
شاہ ہے برطانوی مندر میں الٹی کابٹ
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری مائیں مائیں
ہے یہ مشکِ آمیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحرِ انگلیس! مارا خواجہ دلیتر تراش



دوزخی کی مناجات

اس دیر گھن میں ہیں غرض مند چرباری
 رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
 پوچھا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود
 قسمت ہے عسیریوں کی وہی نالہ و سہریا
 ہیں کراچی بندہ میں عمارات فلک بوس
 شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
 تیشے کی کوئی کردش تیرتیر تو دیکھے
 سیراب ہے پرویز، چلر شہر ہے فرہاد
 یہ عسلم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
 جو کچھ ہے وہ ہے فنکاروں کا نہ کی احباب
 اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ زیرِ سر
 سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

۷۲۲

اصغان جھار

۳۰

مسعود مرعوم

یہ سرورِ مہ، یہ ستارے یہ آسمانِ کبود
 کسے خبر کہ یہ عالمِ عدم ہے یا کہ وجود
 خیالِ حبِ اوہ و سوزِ نزلِ فسانہ و افسوں
 کہ زندگی ہے سرِ اپارِ حیلِ بے مقصود
 رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
 وہ یادِ کارِ کمالاتِ احمد و محمود
 زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اُس کی
 وہ کارِ رواں کا مستِ باعِ گراں بہا مسعود
 مجھے زلاتی ہے اہلِ جہاں کی بید روی
 فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سرود
 نہ کہہ کہ صبرِ میں پنہاں ہے چارۂ غم و دوست
 نہ کہہ کہ صبرِ معنائے موت کی ہے کشود

۷۲۳

ایمانِ مجاز

۳۱

”وَلَيْكُمُ الْعَاشِقُ وَصَابِرٌ بُوَد مَلِكُ سَنَدِ اسْت
 زِعْشَقِ تَابِ صَبُورِی مِزَارِ فَرْسَنَدِ اسْت“
 (سعدیؒ)

نہ مجھ سے پوچھ کہ عسر لہریز کیا ہے
 کسے خبر کہ یہ نیزاب و سیما کیا ہے
 ہوا جو خال سے پیدا، وہ خال میں ستور
 مگر غیبِ صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے
 عجب ار راہ کو بخشا کیا ہے فوقِ جمال
 خبر دینا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
 دلِ نطش بھی اسی بگل کے ہیں اعجاز
 نہیں تو حضرتِ انساں کی انتہا کیا ہے؟
 جہاں کی رُوحِ رواں ”لا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ“
 سیح و میخ و چلیپا، یہ ماہِ سرا کیا ہے
 قصاصِ خونِ تمش کا مانگے کس سے
 گناہِ کار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

۷۲۲

ارغوانِ حجاز

۳۲

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم
طلسم ہا شکند ان دے لے کہ ماواریم

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا

خودی ہے مردہ تو مانند گاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات

نگاہ ایک تختی سے ہے اگر محروم
دو صد ہزار تختی تلا فی مافات

مستام بندہ مومن کا ہے ورا تے سپر
زمین سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

حریم ذات ہے اس کا نشین ابدی
نہ تیرہ خالِ حسد ہے نہ جلوہ گاہِ صفات

۷۲۵

امغان مجاز

۳۳

خود آگہاں کہ ازیں خالداں بروں جتند
طلسمِ سروِ سپر و ستارہ بشکستند

آوازِ غیب

اتی ہے دمِ صبح صدا عرشین میں سے
کھویا کیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک!
کس طرح ہوا کس طرح ترا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جلد چاک
نُوطِ باہر و باطن کی خلافتِ فارسِ زوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ حسنِ خاشاک
مہر و مہ و آبِ بسمِ نہیں کوم تے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

۷۲۶

امغانِ حجاز

۳۲

اب تک ہے رواں کرچہ لہو تیری رگوں میں
 نے گرمی اس کا، نہ اندیشہ ہے بال
 روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی
 جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
 اے شہسوارِ سلطانِ وِلائی وِسیری!



۷۲۷
 افغان جہاز
 ۳۵

نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر
نہیں خراب ہو کر

۴۸
ایمان حجاز
۳۶

رباعیت



مری شاخ اہل کا ہے شر کیا
ترمی تفتدیر کی مجھ کو خبر کیا
کلی گل کی ہے محتاج کشوداج
نسیم صبح منہ پر نہٹ کر کیا

۷۲۹
اصغان حجاز
۲۷



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
کہ چھوٹے نفیس کے امتحاں سے
ہوا پیری سے شیطان لہندیش
گنت سادہ تازہ تر لائے لہاں سے!



دلِ لکوں عالمِ شام و سحر کر
جہاں خشک و تر زیر و زبر کر
ہے تیری سدائی داغ سے پاک
مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر

۷۳۰
مغانِ حجاز
۳۸



عنیری میں ہوں محسوسِ سری
 کہ غیتِ منے میری فہمی تیری
 حذرِ اس قدر رویشی سے جس نے
 سماں کو کھادی سنزیری!



خرد کی تناسلِ دامانی سے نیا
 تجلی کی منیراوانی سے نیا
 گوارا ہے اسے نطفہٴ غمیر
 بندگیِ ناما سمانی سے نیا

۷۳۱

اسغان مجاز

۳۹



کہا اقبال نے شیخ حسام سے
تہ محراب مسجد سویکاکون
بند مہج کی دیواروں سے آئی
فرنگی بت کدے میں لھوئیکون؟



نہن سنگامہ ٹائے آرزو سر
کہ ہے مرد سماں کا لہو سر
بتوں کو یہ سری لا دینی مبارک
کہ ہے آج ایشیا لٹڈ ہو سر

۷۳۲
ایفان حجاز
۲۰

سیت بہت دھوئیں دل آویز
حکمر پرچوں، نفس روشن نگہ تیز
میشہر ہو کے دیدار اس کا
کہ ہے وہ رونق محسن کلمہ تیز

تمیز منار و گل سے آشکارا
نظم نسیم سج کی روشنی ضعیف سی
حفاظت پھول کی گنم کن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو جو خستہ سریری

۴۳۳
اصغان مجاز
۲۱



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی
کہ اصلِ زندگی ہے خودمانی
نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا
دل دریا سے گھر گھر کی بدائی



ترے یامیں طوفان کیوں نہیں ہے
خود ہی سیر ہی سماں کیوں نہیں ہے
عیشے شکوہ تیرے پیروں
تو خود تفتِ دیریز داں کیوں نہیں ہے؟

۷۳۲
اصنافِ حجاز
۲۲



حسرو دیکھے اگر دل کی نگہ سے
جہاں روشن ہے نورِ لا الہ سے
فقط اک کردیشِ شام و سحر ہے
اگر دیکھیں سرِ غمہ سے



کبھی دریا سے شل موج اب کر
کبھی دریا کے سینے میں اتر کر
کبھی دریا کے گل سے لڑ کر
مست ام اپنی خودی کا فاش تر کر!

۴۳۵
امغانِ محاز
۲۳

۷۳۶
امعان صبحان
۲۲

ملا زادہ ضلع لولاکشمیری کاغذیں



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب
مرغانِ ستیری فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادی لولاب!

گر صاحبِ ہنگام نہ ہوں نہ مجرب
وہیں بندھوں کے لیے موتے یا خواب

اے وادی لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا ہاں ہے بکرسوز
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضراب

اے وادی لولاب!

۷۳۷
افغان مجاز
۲۵

ملا کی نط زورِ فراست سے چہ نالی
بے سوز ہے سحرِ نازِ صوفی کی مے ناب
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہوں دلِ جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویشِ نایاب
اے وادیِ لولاب!



موتے اک سخت تر حاکمِ غلامی بنے نام
مکرو فنِ خواب کی کاشِ سمجھتِ غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صُور کا غوغا سلالِ حشر کی لذتِ حرام
اے کہ غلامی سے ہے روحِ تری مُضحیٰ
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام!

۷۳۸

افغان مجاز

۴۶



آج وہ کشمیر بے محکوم و مجبور و فقیر
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
 سینہ اسلاک سے اٹھتی ہے آہِ سونال
 مرو حق ہوتا ہے جب مر عجب سلطانِ امیر
 کہہ رہا ہے داستانِ بید رویِ ایامِ لی
 کوہ کے دامن میں دغخسلاں نہ دھچکانِ پیر
 آہ! یہ قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ
 ہے کہاں روزِ مسکافت اے خدائے دیرگیر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
 تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

۷۳۹
 اصفانِ مجاز
 ۲۷

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ ارزو
 وہ پُرانے چال جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تارِ زفو
 ضربِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخرِ پاشِ پاش
 جاگتیت کا بے سندیں دل و آسینہ



دُراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیاتِ سر میں ہے صیادِ شاہیں ہے کہ دُراج!
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے طلسم
 مشرق میں ہے فروانے قیامت کی نمودِ اج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب
 وہ مردہ کہتے بانگِ فراسیل کا محتاج

۷۲۰

اصغانِ مہمان

۲۸



رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
 مہرِ چاند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
 خود پیری و خود داری و طلبانگِ اناحق
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
 محکوم ہو سالک تو یہی اس کا بُرا دست
 خود مرده و خود مرست و خود مرلِ معاجات



نکل کر حسنِ انقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
 کہ فتنہ خائف تاہی ہے فقط اندوہ و دھیری
 تھے دینِ ادب سے آرہی ہے بڑے پُربانی
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری

۷۴۱
 اربعانِ حجاز
 ۲۹

شیاطینِ ملولیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود بخوبی کے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنجپیری
 چہ بے پروا لذت مند از نو اسے بھکا ہن
 کہ بڑواں شور وستی از یہ چشمانِ کشمیری!



سحبِ الہی کی بوند اگر تواسے تو حسیر
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ بلبند
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناکوار اسے
 دل آپ اپنے شام و سحر کا نقشِ بند
 جس خال کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ سب ہو وہ خالِ ارجمند



۷۲۲
 اربعانِ حجاز
 ۵۰



کھلا جب چمن میں کتب خانہ گل
 نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
 متانت شکن تھی ہوا سنے بہاراں
 غزل خواں ہوا سپر اندرابی
 کہ لالہ آتشیں پیر بنے
 کہ اسرارِ جہاں کی ہوں میں بے حجابی
 سمجھتا ہے جو موت خوابِ کدو
 نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
 نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
 نہیں زندگی سستی و نیم خوابی
 حیات است در آتشِ خود تپیدین
 خوش اس دم کہ این گشتہ را بازیابی

۷۲۲

ارغوان مجاز

۵۱

گزشتہ شریل شرارے بگیری
تواں کرد زیرِ منک استابی



آزاد کی رک سخت ہے مانندِ رکِ سنگ
محکوم کی رک نرم ہے مانندِ رکِ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نمید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربِ ناک
آزاد کی دولتِ دل روشن، نفسِ گرم
محکوم کا سرمایہ فقط ویدہٴ نمِ ناک
محکوم ہے بیگانہٴ اخلاص و مروت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہٴ افلاس ہے، یہ خواجہٴ مرفلاک

۷۲۲

امغان مجاز

۵۲



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
 کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مسجدِ نہ
 یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر و اعطائے
 کہ خود حرم ہے چہ سراغ حرم کا پروا
 طلسم بے خبری، کافری دین اری
 حدیثِ شیخ و برہمن فسون افسانہ
 نصیبِ خطِ ہویا رب وہ بندہ درویش
 کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیم
 چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
 گھر میں اب ولر کے تمام یک دانہ



۷۲۵
 اربعانِ حجاز
 ۵۳



وگرگوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
 بڑے معر کے زندہ قوموں نے مارے
 منہ ختم کی تقویمِ سرِ داس ہے باطل
 کرے آسماں سے پُرانے ستارے
 ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
 کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
 زمیں کو فراغتِ نہیں زلزلوں سے
 نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
 ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
 خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے!



۷۲۶
 اصفانِ حجاز
 ۵۲



نشان ہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
 کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تدبیریں
 کمالِ صدق و مروت ہے زندگی ان کی
 معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
 قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
 یہ اُمّتیں ہیں جہاں میں برہنہ شہیریں
 خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
 کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
 شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
 قبولِ حق ہیں فقط مردِ حسرت کی تفسیریں
 حکیمِ سیری نواؤں کا راز کیا جانے
 وراے عقل ہیں اہلِ حسرتوں کی تدبیریں



چه کافرانہ قمارِ حیات می بازی
 کہ بازمانہ بسازی بخود نمی سازی
 دگر بدمد رسد ہائے حسرت می بینم
 دلِ حسید و نگاہ غزالِ و رانی
 بکلم مفتی اعظم کہ فطرتِ ازلیت
 بدین صعوہ حرام است کارِ شبازی
 ہماں فقیرِ ازل گفت جُزہ شاہیں ا
 باسماں کروی باز میں نہ پروازی
 منم کہ توبہ نہ کردم ز مناش کوئی ہا
 ز بیمِ این کہ سلطان کنند عماری
 بدستِ ناز سہر قند و نہ بخارا لیت
 دُعایِ گویز قیاس بر بزلِ شیرازی

۷۲۸

ایمان حجاز

۵۶



ضمیر مغرب کے تاجرانہ، ضمیر مشرق سے اہسانہ
 وہاں دلوں سے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
 کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ اندازِ محراب
 سکندری ہو، تلسندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
 حرف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ نقاب
 انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سناب
 غلام قوموں کے علم و فلک کی ہے یہی مرآۃ
 زمین اگر تنگ ہے تو خیائے فصاحت کے لڑوؤں سے بے لڑانہ
 خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
 عمل سے فارغ ہو اس سماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

۷۴۹
 ارمغانِ محجاز
 ۵۷

مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہے صیاد کو زلایا
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا کراں نہ تھا مجھ پر آشیانہ



حاجت نہیں اے خطّہ گل شرحِ ثبیاں کی
تصویرِ سارے دل پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نامِ کفایتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ چینامِ خدایان ہمسالہ
سرمایہ کی جواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنسِ جس کا ایسے فوج ووشاہ
اُمید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ



۷۵۰
ارغوانِ مجاز
۵۸



خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
سرم آتی ہے اس مردِ مجرب پر پرزہ پوشی



اس عزمِ بلند اور اس سوزِ جگر اور
شمیرِ پدرخواہی بازو سے پدر اور



۷۵۱
اصغان جہاز
۵۹



غریب شہر ہوں میں ہنس تو لے مری فریاد
 کہ تیرے سینے میں بھیجیں قیامتیں آباد
 مری نوائے غم کو دے ہمت سحر عزیز
 جہاں میں غم نہیں دولتِ دلِ ناشاد
 کہ ہے مجھ کو زمانے کی کور و قی سے
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فریاد
 ”صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد و لگراست
 خبر بیکر کہ آوازِ تیشہ و جگراست“

۷۵۲

اصغان مجاز

۶۰

✽ صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگلستہ علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاض حشریہ جواہر میں ہے

سرگرم حیدری صدر اسلم حیدر آبادی کے نام

یوم اقبال کے موقع پر توش خانہ رضوان نظام کی طرف سے جو صاحب عظم
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توضع موصول ہونے پر

تھایہ اللہ کا فخر ماں کہ شکوہ پرویز
دوست لندرو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے فخر مایا کہ لے اور شہنشاہی کہ
حسن تدبیر سے دے آئی وفائی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بیت
غیرت فضا تر مگر کرنہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ میری خدائی کی زکات



۷۵۲
امغان مہار
۶۱

حُ سین احمد

عجم هنوز نداند رموزِ دیں، ورنہ
 ز دیوبند حسین احمد! ایں چه بواجبی است
 سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
 چه بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
 بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمراہ است
 اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

حضرت انسؓ

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
 کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
 کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
 نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہاتے پنہانی

۷۵۴

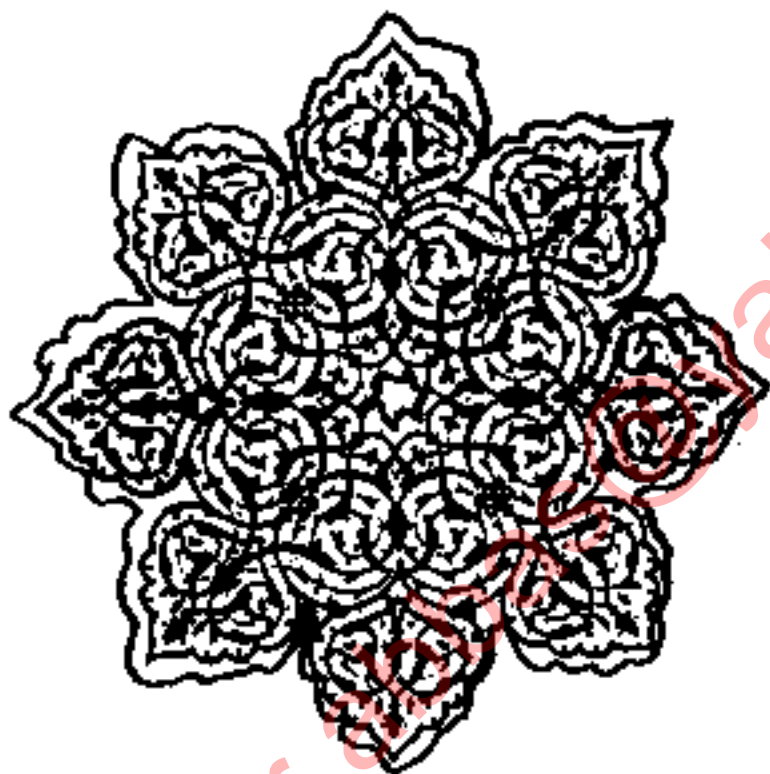
افغان حجاز

۶۲

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے منِ زنداوم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا کیا ہے ذوقِ عسیری
 یہی منِ زنداوم ہے کہ جس کے اشکِ خمیں سے
 کیا ہے حضرتِ یزداں نے ریاؤں و طوفانی
 فلک کو کیا خبر خیالِ کس کا شیبہ
 غرضِ انجم سے ہے کس کے شبستان کی تہبانی

اگر مقصودِ گل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہنس کا مہ ہائے نو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶
ارغوان مجاز
۶۲